جذبات فطرت

حصّہ اول

مرتبہ

محمد الیاس برنی

زیرِ نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم۔ اے

ناشر

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی۔ دہلی

قیمت ۸ عہ

گذارش

جذبات فطرت کا حصہ اول ختم ہوا۔ اس کے ابھی تین حصے اور باقی ہیں جن میں مضامین کے اعتبار سے انتہائی معرکۃ الآرا کلام جمع کیا گیا ہے۔

فطرت سے متعلق یہ انتخاب یادگار زمانہ ثابت ہوگا۔

قیمت ہر چہار حصص ۱۰ عہ

مناظر قدرت

ہر چہار جلد قیمت ۱۰ عہ

یہ بھی ان بلند پایہ منظومات کا مجموعہ ہے جو فن شاعری کی معراج سمجھا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس کو پڑھکر قدرت کے مناظر کی جیتی جاگتی تصویریں تسکین روح حاصل ہوگی۔

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

(انڈیا لیتھو پریس پہاڑی بھوجلہ دہلی)

جلد اول

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت مضامین متجانسہ درج ہیں۔

			صفحہ
(۱)	نشاط امید	حالی	
(۲)	گذار مایوسی	غالب	
(۳)	راحت یاس	نایرفلک	
(۴)	بزم عشرتِ دنیا	مومن	
(۵)	عشرت فانی	مومن	
(۶)	روا روی	انشا	

(۷)	مسافرت دنیا	سافل
(۸)	سرائے دنیا	نسیم
(۹)	منزل دنیا	انیس
(۱۰)	آنی جانی	طالب (بنارسی)
(۱۱)	جب لاد چلے گا بنجارہ	نظیر (اکبرآبادی)
(۱۲)	سرائے فانی	مرزا شوق
(۱۳)	بے ثباتی دنیا	متفرق
(۱۴)	جوگی	ناظر
(۱۵)	جام شہادت	نجم (گیلانی)
(۱۶)	میدان جنگ	اسمٰعیل
(۱۷)	عبرت	نظیر (اکبرآبادی)
(۱۸)	عبرت	اکبر
(۱۹)	موت کی گھڑی	شاکر (میرٹھی)
(۲۰)	موت کا نقارہ	نظیر (اکبرآبادی)
(۲۱)	موت	اکبر
(۲۲)	موت	محروم
(۲۳)	مرگ پسر	انیس

(۲۴) مرثیۂ فرزند — ریاض

(۲۵) مرثیۂ عارف — غالب

(۲۶) نوحہ وفات نادر شاعر — محروم

(۲۷) کسی لڑکے کا مدرسہ میں انتظار — محروم

(۲۸) کلیجے کا داغ — سرور (جہان آبادی)

(۲۹) بچّے کی قبر — عزیز

(۳۰) ماں کی بین — نظیر (اکبر آبادی)

(۳۱) ماں کو نزع میں بچّے کا دھیان — محروم

(۳۲) معصوم بچّے کی ماں کی میت پر — محروم

(۳۳) یتیم کا پیام ماں کے نام — اکبر (میرٹھی)

(۳۴) یتیم اور گور پدر — عزیز

(۳۵) کسی کی وصیت — مرزا شوق

(۳۶) کسی کا جنازہ — مرزا شوق

(۳۷) مرزا — امجد

(۳۸) مزار دوست — ؟

(۳۹) خواب قبر — مسلم (عظیم آبادی)

(۴۰) کفن دفن — نظیر (اکبر آبادی)

(۴۱) قبرستان — عزیز
(۴۲) ملکہ نور جہاں کا مزار — دل
(۴۳) ملکہ نور جہاں کا مزار — محروم
(۴۴) گورِ غریباں — اوج
(۴۵) گورِ غریباں — نظم (طباطبائی)
(۴۶) شہرِ خموشاں — ؟
(۴۷) فنا — ذہین
(۴۸) فنا — عزیز الرحمٰن (بلگرامی)
(۴۹) محبت — میر
(۵۰) آغاز حسن و عشق — حسرت (موہانی)
(۵۱) اختلاط — امیر
(۵۲) ولولۂ عشق — غالب
(۵۳) ولولۂ عشق — اکبر
(۵۴) کارنامۂ عشق — میر
(۵۵) کارنامۂ عشق — حالی
(۵۶) جوشِ عشق — مرزا شوق
(۵۷) غمِ عشق — میر

(۵۸)	غمِ عشق	غالب
(۵۹)	جنونِ عشق	میر حسن
(۶۰)	دل بے قرار کیا ہے	عزیز (لکھنوی)
(۶۱)	دل بے قرار سوجا	سرورؔ (جہاں آبادی)
(۶۲)	دل بے قرار سوجا	معروف
(۶۳)	دل کی بے کلی	میر
(۶۴)	دل کی بے کلی	امیر
(۶۵)	رخصت	میر
(۶۶)	رخصت	دبیر
(۶۷)	اضطرابِ رخصت	مرزا شوق
(۶۸)	جدائی	مرزا شوق
(۶۹)	گل بکاؤلی	نسیم
(۷۰)	یادِ یار	میر حسن
(۷۱)	ماتمِ ہجر	میر حسن
(۷۲)	فراقِ یار	سودا
(۷۳)	دردِ غم	میر حسن
(۷۴)	خستہ حالیٔ حسن	میر حسن

(۷۵) شب فرقت — مرزا شوق
(۷۶) فرقت کی رات — خان احمد حسین خاں
(۷۷) آنداز ہجر — نظیر (اکبرآبادی)
(۷۸) لذّت فراق — حسرت (موہانی)
(۷۹) انتظار یار — مرزا شوق
(۸۰) انتظار یار — درد
(۸۱) انتظار و اضطراب — دبیر
(۸۲) یاروں کا گلہ — میر
(۸۳) شکوۂ الفت — میر
(۸۴) پیغام یار — درد
(۸۵) مہمانداری کا سامان — انیس
(۸۶) ملاپ — میر حسن
(۸۷) وصل یار — حسرت (موہانی)
(۸۸) تولد پسر — (نظیر اکبرآبادی
(۸۹) راحت پسر — انیس
(۹۰) ماں کی مامتا — اسمٰعیل
(۹۱) ماں کا پیار — اسمٰعیل

(٩٢) طفل شیر خورے — نظیر (اکبرآبادی)

(٩٣) معصوم بھولے بھالے — نظیر (اکبرآبادی)

(٩٤) مسرتِ طفلی — بیتاب

(٩٥) بچہ اور ہلال — مہروس

(٩٦) ہندوستان کی ایک حسین لڑکی اور اس کی ہنسی — شوق قدوائی

(٩٧) سحر موسیقی — شاکر

(٩٨) جوگن کی بین

(٩٩) بانسری کی کوک

(١٠٠) محفل رقص و سرود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جذباتِ فطرت

ا۔ نشاطِ امید

اے مری امید میری جاں نواز — اے مری دل سوز میری کارساز
میری سپر اور مرے دل کی پناہ — درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ
عیش میں اور رنج میں میری شفیق — کوہ میں اور دشت میں میری رفیق
کاٹنے والی غمِ ایام میں — تھامنے والی دلِ ناکام میں
دل پہ پڑا آن کے جب کوئی دکھ — تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ
تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ — تو نے اٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ
جی کو ہوا گر کبھی عسرت کا رنج — کھول دیئے تو نے قناعت کے گنج
تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس — تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی آس

خاطر رنجور کا درماں ہے تو
عاشق مہجور کا ایماں ہے تو

نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو

رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو
پانڈوؤں کے ساتھ پھری بن میں تو

تو نے سدا قیس کا بہلایا دل
تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل

ہوگیا فرہاد کا قصہ تمام
پر ترے فقروں پہ رہا خوش مدام

ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کے جب
مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب

بات میں جب آکے لیا تو نے ہاتھ
سات سمندر سے گذرنا ہے بات

ساتھ ملا جس کو ترا دو قدم
کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم

تو نے دیا آکے ابھارا جہاں
سمجھے کہ مٹھی میں ہی سارا جہاں

ذرے کو خورشید میں دے تو کھپا
بندے کو اللہ سے دے تو ملا

جب کہ ہمایوں سے چھٹا ملک و تخت
اور پھنسا بند حوادث میں سخت

یار رہا اور نہ کوئی غمگسار
دوست و دشمن کے لگے چلنے وار

پھر گئے دلدادہ فرماں تھے جو
چھٹ گئے وابستہ داماں تھے جو

گھر میں نہ رہنے کی ملی کوئی راہ
ملک میں لی غیر کے جاکر پناہ

ہوگئے اغیار یگانے سبھی
تو نے مگر ساتھ نہ چھوڑا کبھی

چھوٹ گئے سارے قریب اور بعید
ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی امید

تیرے ہی دم سے کٹی جو دن تھی سخت — تیرے ہی صدقہ سے ملا تاج و تخت
خاکیوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند — تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند

تجھ سے ہی آباد ہیں کون و مکاں
تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہاں

وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو — رکھتی ہے ہر ایک کو خورسند تو
بھاتی ہے سب کو تری لیت و لعل — تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل
تلخ کو تو چاہے تو شیریں کرے — بزم عزا کو طرب آگیں کرے
آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس — رکھے غنی اس کو رہے جس کے پاس
یاس کا پاتی ہے جو تو کچھ لگاؤ — سینکڑوں کرتی ہے اتار و چڑھاؤ
آنے نہیں دیتی دلوں پہ ہراس — ٹوٹنے دیتی نہیں طالب کی آس
جن کو میسر نہیں کملی پھٹی — خوش ہیں توقع پہ وہ زربفت کی
چٹنی سے روٹی کلے جن کی بناؤ — بیٹھے پکاتے ہیں وہ خیالی پلاؤ
پاؤں میں جوتی نہیں پہ ہے یہ ذوق — گھوڑا جو سبزہ ہو تو نیلا ہو طوق
فیض کے کھولے ہیں جہاں تو نے باب — دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب
تیرے کرشمے ہیں غضب دلفریب — دل میں نہیں چھوٹتے صبر و شکیب
تجھ سے مہوس نے جو شورے لیا — پھونک دیا کان میں کیا جانے کیا
دل سے بھلایا زن و فرزند کو — لگ گیا گھن نخل برومند کو

کھانے سے پینے سے ہوا سرد جی
ایسی کچھ اکسیر کی لو لگ گئی

دین کی ہے فکر نہ دنیا سے کام
دھن ہی یہ ہی رات دن اور صبح شام

دھونکنی ہے بیٹھ کے جب دھونکتا
شہ کو سمجھتا ہے اک ادنیٰ گدا

پیسے کو جب تاؤ یہ دیتا ہے تاؤ
پونچھتا یاروں سے ہے سونے کا بھاؤ

کہتا ہے جب ہنستے ہیں سب دیکھ کر
رہ گئی اک آنچ کی باقی کسر

ہے اسی دھندے میں وہ آسودہ حال
تو نے دیا عقل پہ پردہ سا ڈال

پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت
جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج و تخت

آج جو برتن ہے تو کل گھر گرو
ملتی ہے مشکل سے انھیں نانِ جو

تیرے سوا خاک نہیں ان کے پاس
ساری خدائی ہیں ہمیں دے کے آس

پھولے سماتے نہیں اس آس پر
صاحبِ عالم انھیں کہیے اگر

کھاتے ہیں اس آس پہ قسمیں عجیب
جھوٹے کو ہو تخت نہ یارب نصیب

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم
آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم

لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے
حوصلہ کا لگتا ہے جی چھوٹنے

ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ
عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ

جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے
پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے

بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح

ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا
اڑتا ہے خاکہ کبھی تدبیر کا

ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی
ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل
کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل

کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں
رخت سفر یاس نے باندھا وہیں

ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑ یو حالی کا نہ ساتھ اے امید

حالی

۲۔ گذارِ مایوسی

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی!
موت آتی ہے پر نہیں آتی!!

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے ترے زلف کے سر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پہ دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

غالب

۳. راحتِ یاس

دم ناک میں کیا تھا طوفانِ غم نے میرا ٹکڑے جگر کیا تھا حسرت کے سم نے میرا
خرمن جلا دیا تھا برقِ الم نے میرا میں جان دے چکا تھا تو نے مجھے بچایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا سبز باغ برسوں امید نے دکھائے تھے وعدے اس کے جھوٹے سب ہی نے آزمائے
دم بازیوں سے اسکی دھوکے بہت ہی کھائے پھندے سے اسکے تو نے آخر مجھے چھڑایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

امید کے وہ وعدے جھوٹی ہوائیاں تھیں سب جو فروشیاں تھیں گندم نمائیاں تھیں
دن رات کوششیں تھیں اور نارسائیاں تھیں دھوکے کا تو نے پردہ آخر کو آ اٹھایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا آرزو کی تپ تھی کیا شوق کا جنوں تھا تن من جلا رہا تھا کیا شعلۂ دروں تھا
حرماں کے نشتروں سے دل تھا کہ غرقِ خوں تھا زخموں پہ جان کے تو نے مرہم سا آ لگایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا آہ سرد تو نے ٹھنڈی ہوا چلائی گہری سی نیند جس سے دردِ دروں کو آئی
کیا یاس تو نے میٹھی لوری سی آ سنائی کیا بھیروں کی دھن میں یہ تو نے گنگنایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا سکھ کی زندگی ہے اب شوق ہی نہ حسرت
نے آرزو نہ حرماں دونوں پہ بھیجو لعنت
اے یاس تجکو شاباش اے یاس تجھ پہ رحمت
امید دور ہو چل تو نے بہت ستایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

گذرے گی خوب اپنی اب میں ہوں اور تجھ ہے
تجھ کو بھی مجھ سے الفت یاں تیری جستجو ہے
میں جسم ہوں تو جاں ہے میں پھول ہوں تو بو ہے
یہ شکر ہے خدا نے مجھ سے تجھے ملایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے ملایا

نیاز فتح

۴. بزم عشرت دنیا

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
جنت نگاہ یہ تو وہ فردوس گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

غالب

۵۔ عشرت فانی

یادِ ایام عشرتِ فانی — نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
جائیں وحشت سے سوئے صحرا کیوں — کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی
خاک میں رشک آسماں سے ملی — ہائے کیسی بلند ایوانی
ایسی وحشت سرا میں آئے کیوں — بے دری کر رہی ہے دربانی
کیا ہوئی وہ بلندئ دیوار — کیا ہوئے وہ عماد طولانی
سقف رنگیں و زرنگار کہاں — جز سپہر و نجوم نورانی
صرف دلق گدا ہوئے پردے — زینت افزائے کاخ سلطانی
یا ظروف و سماط سے تھا مجھے — دعوئے قیصری و خاقانی
یا نہیں ہے مرقع و کشکول — تا کروں تازہ رسم ساسانی
یا یہاں پرنیان و اطلس سے — جلوہ گر تھی سپہر سامانی
یا یہ احوال ہے کہ چاک ہوا — تنگیوں سے لباس عریانی
مسندِ گوہری کا دھیان آیا — پوچھتے کیا ہو وجہ گریانی
شورِ زاغ و زغن ہے سمع خراش — اب کہاں بلبل و غزل خوانی

ایک دن یوں ہجوم یاراں تھا
جیسے اب مجمع پریشانی

مومن

٦۔ رواروی

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی مے خوار بیٹھے ہیں

بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بے کار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاؔ
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

انشاؔ

۷۔ مسافرتِ دنیا

یہ آج صاحبِ طبل و علم ہے کل وہ ہی | ہے اپنے نام کی نوبت ہر اک بجاجاتا
محیطِ دہر میں استادہ صورتِ کشتی | دکھائی دیتا ہوں سب کو پہ ہوں چلا جاتا
خبر نہیں کہ کہاں جاؤں گا چلا ہوں کہاں | مثالِ ریگ پریدہ ہوں پر اڑا جاتا
کوئی یہ بڑھ کے مرے ساتھ والوں سی کہہ دے | یہ ناتواں ہے پسِ قافلہ رہا جاتا

اکیلے منزلِ ہستی میں کیا کرو گے رندؔ
چلو عدم کو ہے یاروں کا قافلہ جاتا

رندؔ

۸۔ سرائے دنیا

سرائے دنیا ہے خوف کی جاہ | ہر ایک کو کوچ دم بدم ہے
رہا سکندر یہاں نہ دارا | نہ ہے فریدوں نہ ور جم ہے
مسافرانہ ٹکے ہو، اکھڑو نہ | مقامِ فردوس ہے ارم ہے
سفر ہے دشوار خواب کب تک | بہت بڑی منزلِ عدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو | اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے
سرور عیش و نشاط و عشرت | یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
ملال رنج و غم و مصیبت | یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے

غرور و تمکین و کبر و نخوت — یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
نسیم جاگو کمر کو باندھو — اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

قیام عمر دو روزہ جانی — کبھی نہیں ایک قاعدے پر
تعلق عیش زندگانی — کبھی نہیں ایک قاعدے پر
جو چار دن ہے وفور راحت — تو بعد اس کے غم و الم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو — اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

نسیم

۹۔ منزل دنیا

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں — وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ پوست مروت نہیں جس میں — وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں

بے درد و الم شام غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گذری

گودی میں کبھی ماں کے کبھی قبر کا آغوش — گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرم سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش — گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسر دوش

اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو جو چھپر کھٹ ہیں تو تابوت ہیں دن کو
کرتا نہیں غربت میں کوئی آکے مدد تک
گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہنچا کے لحد تک
وہ خانہ تاریک ہیں تنہائی ابد تک
نہ دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
تنہا یونہی شاہانِ اولوالعزم گئے ہیں

انیسؔ

۱۰۔ آنی جانی

عدم سے بشر آئے گا ایک دن
زمانہ کہے گا اُسے نیک دن
لڑکپن کے دن ہوں گے شاہی کے دن
محبت کے دن بے گناہی کے دن
خوشی ان دنوں نور برسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

پھر آئے گا مار ہوش کرنے شباب
رہے گا خیال شراب و کباب
کبھی جوش مستی کبھی نوشِ خواب
نہ فکرِ ثواب و نہ خوفِ عذاب
گھٹاؤں پہ پندار کی چھائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

سپاہی جواں مرد کہلائے گا لڑائی میں زخم گراں کھائے گا
غش آئے گا سیروں لہو جائے گا کراہے گا تڑپے گا چلائے گا
قضا بو نہ پانی کو ترسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائے گی

بشر ہو گا عالم میں ذی احتشام بڑھے گی لیاقت سے شہرت تمام
رہے گو نہ شہرت بھی اس کی مدام کہ شہرت کو بھی یاں نہیں ہے قیام
یہ شہرت نیا رنگ چمکائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

زمانہ کرے گا جواں کو ادھیڑ توانائی کا ہو گا پژمردہ پیڑ
لگائے گا اسپ جوانی کو ایڑ نقاہت کرے گی قواؤں سے چھیڑ
طبیعت اس آفت سے گھبرائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائے گی

بڑھاپے سے ہو گا بڑا انقلاب نہ ہو گی دلیری نہ ہو گا شباب
ضعیفی کرے گی کل اعضا خراب یہاں تک کہ جینا بھی ہو گا عذاب
اجل چیل سی سر پہ منڈلائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائے گی

مرض موت کا جب اُٹھائے گا سر دوا کر کے ہاریں گے کل چارہ گر

بن آئے گی بیمار کی جان پر بگڑ جائے گا کھیل سب سر بسر
بڑی سختیاں نزع دکھلائے گی
مگر یہ کھڑی بھی گذر جائے گی

غالب بنارسی

۱۱۔ جب لاد چلے گا بنجارا

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارہ
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونیں اور پلا بھارا
کیا گیہوں چاول موٹ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارہ
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا
تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
کیا سود بڑھا کر لاوے گا یا لوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستہ میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا۔ ایک کنبہ کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستہ میں یہ گون تری ڈھل جاوے گی
ایک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پاوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی پوت جوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

نظیر اکبر آبادی

۱۲۔ سرائے فانی

جائے عبرت سرائے فانی ہے
مورد مرگ ناگہانی ہے

اونچے اونچے مکان تھے جن کے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے
آج دیکھا تو خار بالکل تھے

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اس جا ہے آشیانۂ بوم

بات کل کی ہے نوجواں تھے جب — صاحبِ نوبت و نشاں تھے جب
آج خود ہیں نہ ہے مکاں باقی — نام کو بھی نہیں نشاں باقی
غیرتِ حورِ مہ جبیں نہ رہے — ہیں مکاں گر تو وہ مکیں نہ رہے
جو کہ تھے بادشاہِ ہفت اقلیم — ہوئے جا جا کے زیرِ خاک مقیم
کوئی لیتا بھی اب نہیں یہ نام — کون سی گور پہ گیا بہرام
اب نہ رستم نہ سام باقی ہے — اک فقط نام ہی نام باقی ہے
کل جو رکھتے تھے اپنے فرق پہ تاج — آج ہیں فاتحہ کو وہ محتاج
تھے جو خودسر جہان میں مشہور — خاک میں مل گیا سب اُن کا غرور
عطرِ مٹی کا جو نہ ملتے تھے — نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے — استخواں تک بھی اُن کی خاک ہوئے
تھے جو مشہور قیصر و فغفور — باقی ان کا نہیں نشانِ قبور
تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر — ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر
رشکِ یوسف جو تھے جہاں میں حسیں — کھا گئے اُن کو آسماں و زمیں
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے — یہی دنیا کا کارخانہ ہے
ہے نہ شیریں نہ کوہکن کا پتہ — نہ کسی جا ہے نل دمن کا پتہ
بوئے الفت تمام پھیلی ہے — باقی اب قیس ہے نہ لیلیٰ ہے
صبح کو طائرانِ خوش الحان — پڑھتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَان

موت سے کس کو رستگاری ہے — آج وہ کل ہماری باری ہے

مرزا شوق

۱۳۔ بے ثباتی دنیا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا — یکسر وہ استخوانِ شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

میر

عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی — ابھی دخل تھا نرگس و نسترن کا
ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل — ابھی تھا بہم جوش سرو سمن کا
گھڑی بھر کے پھر بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ تھا واں چمن کا

نظیر اکبر آبادی

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن — جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ — دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

سودا

خسرو کے سر پہ وہ نہ رہا تاجِ خسروی
نے رہ گیا وہ چترِ فلک سا ہی جم کے ساتھ

گیسی اب اُن کی دھوپ میں جلتی ہیں تربتیں
سائے میں یاں پلے تھے جو ناز و نعم کے ساتھ

مصحفی

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے
راحت سے کوئی اور کوئی فریادی ہے
اِک عشرت و غم کا ہے مرقعِ دنیا
ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

انیس

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد
خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے
نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

آتش

مسرت ہوئی ہنس لئے دو گھڑی
مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست
سلایا شب گور نے سو رہے

اکبر

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
ہو عمر خضر بھی تو ہو معلوم وقت مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوق
اپنی بلا سے باد صبا اب کبھی چلے

ذوق

اپنی ہستی حباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے
چشم دل کھول اس ہی عالم پر — یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

میر

یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل — گرمیٔ بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک
غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج — شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

غالب

سر راہِ عدم گور غریباں طرفہ بستی ہے
کبھی غربت برستی ہے کبھی حسرت برستی ہے

نہ گھبرا اے دلِ واماندہ اب منزل قریب آئی
اسی بستی کے آگے اور آباد ایک بستی ہے

کبھی کروٹ نہیں لیتا کوئی گور غریباں میں
یہ کیسی نیند سوتے ہیں یہ کیسی ان کی بستی ہے

امیر

دیکھتے ہیں جلوۂ گلہائے رنگارنگ ہم
مثل نرگس کے ہیں جب تک اپنی دونو چشم وا
آخرش ہوگا وہی اک دن خزاں کے ہاتھ سے
جو کہ عالم اپنا اس نشوونما سے پہلے تھا
ہے غنیمت کوئی دن نظارۂ باغ و بہار
پھر کہاں یہ گلشن اور گل اور یہ سبزہ یہ ہوا

ذوق

ہر صبح کو یہ شور ہے مرغِ سحری کا — چونکو کہ زمانہ نہ رہا بے خبری کا
وقفہ نہیں اب بزم سے ہوتا ہی یہ رخصت — منہ دیکھ رہا ہوں میں چراغ سحری کا
دیتا ہے خبر پر خبر احباب کا اٹھنا — پردہ نہیں اٹھتا ہے مگر بے خبری کا
کچھ روزوں ابھی صبر کرلے پنجۂ وحشت
بے موسمِ گل لطف نہیں جامہ دری کا

امیر

عمر برق و شرار ہے دنیا — کتنی بے اعتبار ہے دنیا
داغ سے کوئی دل نہیں خالی — کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا
ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع — عرصۂ کارزار ہے دنیا
اہل رغبت سے کرتی ہے نفرت — بڑی پرہیزگار ہے دنیا

آنے جانے پہ سانس کی ہے مدار ‏ سخت ناپائیدار ہے دنیا
ایک جھونکے میں ہے ادھر سے ادھر ‏ چار دن کی بہار ہے دنیا
بدتر اس کو سمجھ خزاں سے امیر
دیکھنے کو بہار ہے دنیا

امیر

۱۴۔ جوگی

کل صبح کے مطلع تاباں سے جب عالم بقعۂ نور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نور ظہور ہوا
مستانہ ہوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبن تھی
ہر وادی وادیٔ ایمن تھی ہر کوہ پہ جلوۂ طور ہوا
جب باد صبا مضراب بنی ہر شاخ نہال رباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و سمن طنبور ہوا
سب طائر مل کر گانے لگے عرفاں کی تانیں اڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماع طیور ہوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزم سرور سجائی تھی
بن میں گلشن میں آنگن میں فرش سنجاب و سمور ہوا

تھا دلکش منظر دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ
اس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا ناظرؔ دیوانہ

چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پہ چھاؤں چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کہرے نے قنات لگائی تھی

یاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے نالوں نے دھوم مچائی تھی

یاں قُلّۂ کوہ پر رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کے اور انگ بھبوت رمائی تھی

تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیب کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی

سب خلق خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی

جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کر میں نے سلام کیا
تب آنکھ اٹھا کر ناظرؔ سے یوں بن باسی نے کلام کیا

کیوں بابا ناحق جوگی کو تم کس لئے آکے ستاتے ہو
ہیں پنکھ پکھیرو بن باسی تم جال میں آکے پھنساتے ہو

کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعویٰ گھوڑے ہاتھی کا
کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو سنانے آئے ہو
ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے منہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لا کے وہی پہناتے ہو
تم پوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی
ہم جوت لگاتے ہیں من کی تم اس کو آ کے بجھاتے ہو
سنسار سے یاں مکھ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھ لڑائی ہیتم ہے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو
اس مست قلندر جوگی نے جب ناظرؔ پر یہ عتاب کیا
کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا
ہیں ہم پردیسی سیلانی مت ناحق جوش میں آ جوگی
ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پر میل نہ لا جوگی
آبادی سے منہ پھیرا کیوں پربت میں کیا ہے ڈیرا کیوں
ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی
کیا مندر میں کیا مسجد میں سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا
پربت میں نگری میں ساگر میں ہر اترا ہے ہر جا جوگی

جی شہر میں خوب بہلتا ہے واں حسن پہ عشق مچلتا ہے
واں پریم کا ساغر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی
واں دل کا غنچہ کھلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی بازار میں دھونی رما جوگی

ان چکنی چپڑی باتوں سے مت جوگی کو بہلا بابا
جو آگ بجھائی جتنوں سے مت اس پہ تیل گرا بابا

ہے شہروں میں غل شور بہت اور حرص و ہوا کا زور بہت
بستے ہیں نگر میں چور بہت سادھو کی ہے بن میں جا بابا

ہے شہروں میں شورش نفسانی جنگل میں ہے جلوہ روحانی
ہے نگری ڈگری کثرت کی بن وحدت کا دریا بابا

ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجہ کے نہ دوارے جاتے ہیں پرجا کی نہیں پروا بابا

سر پر آکاس کا منڈل ہے دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے شب کو تاروں کی سبھا بابا

جب جھوم کے یاں گھن آتے ہیں مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں گاتے ہیں ملار ہوا بابا

ن ایک شعر لکھنے سے رہ گیا ہے -

ہے پیٹ کا ہر دم دھیان تمہیں اور یاد نہیں بھگوان تمہیں
سل پتھر اینٹ مکاں تمہیں دیتے ہیں سکھ سے چھڑا بابا

تن من کو دھن میں لگاتے ہو یہ یتیم کو دل سے بھلاتے ہو
ماٹی میں لعل گنواتے ہو تم بندۂ حرص و ہوا بابا

دھن دولت آنی جانی ہے یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالمِ فانی ہے باقی ہے ذاتِ خدا بابا

ناظر

۱۵۔ جامِ شہادت

تڑپتا ہی تنہا وہ فرشِ زمیں پر
نہ غمخوار کوئی نہ تکیہ نہ بستر

ادھر اس کی بندوق ٹوٹی پڑی ہے
گرا خاک پر ہے ادھر اُس کا خنجر

نہ آتی ہے کانوں میں آوازِ ہمدم
کہ پانی پلائے اسے ترس کھا کر

نہ توپوں کا شور اور نہ گولوں کی بارش
نہ گھوڑا نہ جھنڈا سپاہی نہ افسر

تعاقب میں دشمن کی سب ٹولیاں ہیں
عقب میں اسے چھوڑ حیران و مضطر

وہ حسرت سے چاروں طرف دیکھتا ہی
کبھی لیٹے لیٹے کبھی سر اٹھا کر

تباہی کے آثار ہر سو عیاں ہیں
بنی ہے زمیں خوں سے دریائے احمر

نہ گھر کی خبر ہے نہ غم خوار کوئی
نہ باپ اور نہ بیٹا برادر نہ مادر

سرہانے کھڑی یہ اجل کہہ رہی ہے ۔۔۔ کہ اس زخم کاری سے ہوگا نہ جانبر

اسی کشمکش میں وہ دم توڑتا ہے

گلستانِ ہستی سے منہ موڑتا ہے

مئے قوم ملت کے سرشار آؤ ۔۔۔ بہادر سپاہی کا لاشہ اٹھاؤ

وطن کی محبت میں مارا گیا ہے ۔۔۔ اسے اس کی خاک وطن میں سلاؤ

بدن ان کا زخموں سے ہے چور سارا ۔۔۔ ذرا قبر میں ہلکے ہلکے لٹاؤ

کھلا کچھ نہ غنچہ امیدوں کا اسکی ۔۔۔ تم اب اس کی تربت پہ کلیاں چڑھاؤ

سپاہی کی عزت اگر چاہتے ہو ۔۔۔ تو اللہ اکبر کے نعرے لگاؤ

کسی کے بھرے گھر کا یہ نور ہوگا ۔۔۔ سرِ شام مرقد پہ شمعیں جلاؤ

کبھی غیر قوموں میں گر جاکے بیٹھو ۔۔۔ تو اس کی دلیری کے قصے سناؤ

مصائب کا اس کی اگر دھیان آئے ۔۔۔ تو آنکھوں سے آنسو کے قطرے گراؤ

وہ مذہب پہ اپنے فدا ہو گیا ہے

وہ فانی سے اہل بقا ہو گیا ہے

نجم گیلانی

۱۶۔ میدانِ جنگ

جہاں کل سپہدار تھے حکمراں
کھڑے تھے جہاں ترچھے بانکے جواں
جہاں کل تھے فیلانِ جنگی ہزار
کوداتے تھے گھوڑے جہاں شہسوار
جہاں پاسباں کل تھے للکارتے
پرندے بھی ڈرتے تھے پر مارتے
وہاں آج لاشوں کے انبار ہیں
پڑے ہر طرف سینہ افگار ہیں

وہ سر جس پہ تھا کل جواہر کا تاج
سو ہے خاک اور خوں میں آلودہ آج

اسمٰعیل

۱۷۔ عبرت

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملکِ روس ہے اور سرزمینِ طوس
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اس طرف آوازِ طبل ادھر صدائے کوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز میں محبوس ہے

لے گئی یک بار گی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین بتلا کے لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

پوچھ لو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس جز از حسرت و افسوس ہے

نظیر اکبر آبادی

۱۸۔ عبرت

دیکھیں پروانے کو دعووں پہ ابھرنے والے
عشق اسے کہتے ہیں یوں مرتے ہیں مرنے والے

نہ رہا یاد انھیں کیا اثرِ فصلِ خزاں
کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنے والے

تیز رفتار نہ ہو اس قدر اے موجِ صبا
تجھ ہیں کچھ قطرے ہوا سے ہیں ابھرنے والے

اکبر الہ آبادی

۱۹۔ موت کی گھڑی

موسم خاص میں ہوتے ہیں شجر برگ فشاں
پھول مرجھاتے ہیں جب باغ میں آتی ہی خزاں

صبح ہوتی ہے تو ہوتے ہیں ستارے پنہاں
لیکن اے موت مقرر ہے ترا وقت کہاں

دن کو ہوتا ہے غم دہر سے ہر ایک کو کام
دوست مل جائیں بہم آتی ہے اس واسطے شام

رات ہوتی ہے کہ ہو سب کو میسر آرام
لیکن اے موت ترے آنے کے ہیں وقت تمام

ہم کو معلوم ہے کب بدر کو ہوتا ہے ہلال
اڑ کے کب جائیں گے مرغانِ ہوا سوئے شمال

کب خزاں آ کے گلستاں کو کرے گی پامال
کون بتلائے کہ کب کیجئے ترا استقبال

کیا وہ موسم ہے ترا جب کہ بہار آتی ہے
اور صبا حسن گل تر کو نکھار آتی ہے

یا خزاں باغ میں جب لے کے غبار آتی ہے
نہیں ہر وقت تو کرنے کو شکار آتی ہے

تو وہاں بھی ہے جہاں ملتے ہیں دو سینہ فگار
دکھڑے رونے کے لیے بیٹھ کے زیر اشجار

تو وہاں بھی ہے جہاں ملتی ہیں فوجیں خونخوار
اور دکھاتی ہے جہاں رزم میں جوہر تلوار

بحر و بر سب کو ہے منظور اطاعت تیری
کر رہی کام ہوا میں بھی ہے طاقت تیری

دل سے راحت میں بھی جاتی نہیں ہیبت تیری
ہم جہاں جائیں نظر آتی ہے صورت تیری

شاکر میرٹھی

۲۰۔ موت کا نقارہ

دو چار گھڑی یا دو دن میں اب تن سے جان نکلتی ہی
یہ ہڈی پسلی جتنی ہے یا گلنی ہے یا جلنی ہے

ہے رات جو باقی تھوڑی سی کوئی دم میں یہ بھی ڈھلنی ہی
اٹھو باندھو کمر کو سونے سے تم کو بھی منزل چلنی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پہ زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

کچھ دیر نہیں اب چلنے میں کیا آج چلو یا کل نکلو
کچھ کپڑا لتّہ لینا ہو سو جلدی باندھ سنبھل نکلو
اب شام نہیں اب صبح ہوئی جوں موم پگھل کر ڈھل نکلو
کیوں ناحق دھوپ چڑھاتے ہو بس ٹھنڈے ٹھنڈے چل نکلو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پہ زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرائے کا یارو صندوق جنازہ ارتھی ہے
جب اس پر ہو اسوار چلے پھر گھوڑا ہے نہ عماری ہے
کس نیند پڑے تم سوتے ہو یہ بوجھ تمہارا بھاری ہے
کچھ دیر نہیں اب آہ نظیرؔ تیار کھڑی اسواری ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پہ زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

نظیرؔ اکبر آبادی

۲۱۔ موت

نزع کا وقت بُرا وقت ہے خالق کی پناہ
ہے وہ ساعت کہ قیامت سی سوا ہوتی ہے
روح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دل سے جدا ہوتی ہے
جسم تو خاک میں مل جاتے ہوئے دیکھتے ہیں
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

اکبر

۲۲۔ موت

اے موت بحر و بر پہ ہے سکّہ رواں ترا
ظالم مطیع حکم ہے سارا جہاں ترا
راہ جفا پہ کوئی نہیں ہم عناں ترا
توسن رواں ہے صورتِ برقِ تپاں ترا
کچھ تو شریک جور ہے گو آسماں ترا
لیکن وہ دوں خصال بھی ثانی کہاں ترا
تو پھول توڑ لیتی ہے اس کے چمن سے بھی
ہر صبح ہے رُخِ مہ و انجم پہ مردنی
ماتم کدہ یہ دہر جو ہے تیرے دم سے ہے
ویراں ہر ایک شہر جو ہے تیرے دم سے ہے
دریائے غم میں لہر جو ہے تیرے دم سے ہے
نالوں میں لہر بہر جو ہے تیرے دم سے ہے
امرت جہاں میں زہر جو ہے تیرے دم سے ہے
جینا خدا کا قہر جو ہے تیرے دم سے ہے

جو دل ہے تیرے داغ سے یاں لالہ زار ہے
ماہی ہیں ماہ تک جو ہے سو داغدار ہے

مارا کسی غریب کو تو نے وطن سے دور
ماں باپ سے بہت پرے بھائی بہن سے دور
لاشہ کوئی پڑا ہے مزار و کفن سے دور
دستِ صدائے شیون و شورِ محن سے دور
پھولوں کی آہ راز بھری انجمن سے دور
گھونٹا گلا ہزار کا صحنِ چمن سے دور
گھیرا کسی کو ورطۂ دریا کے درمیان
پھانسی کسی کو دامنِ صحرا کے درمیان

تو جس کا بچہ لے گئی اُس ماں کا حال دیکھ
جاری ہیں اشک گرچہ ہوئے ماہ و سال دیکھ
اے موت دیکھ طولِ زمانِ ملال دیکھ
اب تک اٹے ہیں گرد سے سب سر کے بال دیکھ
ایسی بھی غمزدوں کی کہیں ہے مثال دیکھ
ہر وقت رونے دھونے سے ہیں آنکھ لال دیکھ
نورِ نظر کے غم میں یہ اتنا جو روئے گی
آنکھیں تو خیر جان کو اک روز کھوئے گی

اے موت آہ تیرے ستائے ہوئے یتیم
نقشِ غلط کی طرح مٹائے ہوئے یتیم
وہ سیلِ اشکِ خوں میں بہائے ہوئے یتیم
سوزِ غمِ نہاں کے جلائے ہوئے یتیم
دوشِ پدر سے خاک پہ آئے ہوئے یتیم
گودی سے ماں کی آہ چھڑائے ہوئے یتیم
روتے ہیں اور دیتے ہیں رو رو دعا تجھے
ان کو رُلا کے موت بھلا کیا ملا تجھے

عاشق کو آ کے حسن کا جلوہ دکھا گئی — دل آ گیا کسی پہ تو بس موت آ گئی
پروانے کے شکار کو شمعیں جلا گئی — گل بہر عندلیب چمن میں کھلا گئی
جھونکوں میں جب سموم کے ظالم سما گئی — دم میں چراغ ہستی گل کو بجھا گئی

صیاد بن کے مرغ چمن زاد پر گری
اور برق ہو کے حادثہ صیاد پر گری

اے موت مت ڈرا مجھے مجھ کو فنا نہیں — چلنے کا مجھ پہ نام کو جادو ترا نہیں
کچھ ابتدا نہیں ہے مری انتہا نہیں — میں وہ ہوں جس سے چھیڑ کی لینا بجا نہیں
تیری رسائی جسم سے آگے ذرا نہیں — ہاں جسم تیرا مال ہے بے شک مرا نہیں

شمشان تیری آگ مجھے کب جلا سکی
آغوش قبر تو مجھے کیوں کر دبا سکے

محروم

۲۳۔ مرگِ پسر

جیتا نہیں وہ جس کے مقدر میں ہے مرنا — مشکل ہے مگر صبر کی سل چھاتی پہ دھرنا
آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گذرنا — انسان کو لازم ہے مگر صبر ہی کرنا

برسوں سے یہی رنگِ گلستانِ جہاں ہے
جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے

کچھ پھول تو وہ کھلا کے بہار اپنی ہیں جاتے
کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
کچھ گل ہیں کہ پھولے نہیں جامے میں سماتے
غنچے بہت ایسے ہیں کہ کھلنے نہیں پاتے
بلبل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
کچھ بس نہیں چلتا چمن آرائے جہاں سے

مرتا ہے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر
ماں باپ کا کیا زور ہے جو خواہش تقدیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادر دل گیر
جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سُلا کر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اسی قبر میں جا کر

مٹی سے بچاتے ہیں سدا جن کا تن پاک
اُس گل پہ گرا دیتے ہیں اب سینکڑوں من خاک
مادر جسے عریاں نہیں کرتی تہ افلاک
وہ قبر میں سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک
غربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا

انیسؔ

۲۴۔ مرثیہ فرزند

رکھا ترے دامن میں ہی کیسے گُلِ تر کو — رکھ آنکھ میں اے قبر مرے نورِ نظر کو
ہے آگ لگی آگ لگے، اس کے اثر کو — جاتا ہے کہاں نالۂ دل پھونک کے گھر کو
پہلو میں ہمارے غضب اک پھانس چبھی ہے — رہ رہ کے بڑھاتی ہے وہی دردِ جگر کو
یکساں ہے مرے گھر میں شب و روز کا عالم — پھرتے ہیں مہ و مہر لیے شام و سحر کو
جب خاک سے بچتے نہیں پروردۂ دامن — کیا لے کے کریں لالہ و گل لال و گہر کو
شب گورِ غریباں میں بسر کرتے ہیں اے موت — ہم شام کو جا رہتے ہیں آتے ہیں سحر کو
مقبول دعائیں نہیں ہوتیں نہیں ہوتیں — قسمت میں ترسنا ہے ترستے ہیں اثر کو

گریاں ہیں ریاضؔ آپ غمِ مرگ میں کس کے
درپیش یہی راہ ہے ہر فردِ بشر کو

(ریاضؔ)

۲۵۔ مرثیۂ عارف

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور — تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں — مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور
ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف — کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

جلتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے — کیا خوب قیامت کا ہی گویا کوئی دن اور
تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے — پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور
تم ایسے کہاں کے تھے کھرے داد و ستد کے — کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی — بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش — کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

غالب

۲۶۔ نوحہ وفات نادر شاعر

مرگِ نادر کی خبر کاش نہ آئی ہوتی — باعثِ گریہ نہ پوچھو نہ سنائی ہوتی
اے فلک اور بھی نادر کو تو جینے دیتا — کون سی اس میں بھلا تیری بڑائی ہوتی
اک چہکتی ہوئی بلبل کا گلا کیوں گھونٹا — ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی
کیسا اندھیرا ہے او بادِ فنا کے جھونکو — آہ یہ شمع تو تم نے نہ بجھائی ہوتی
ندرت آمیز یہ تصویرِ تخیل افسوس — دستِ بیدادِ اجل نے مٹائی ہوتی
ہند میں آج تھا تو موجدِ نو طرزِ سخن — کوئی دن اور تری تازہ نوائی ہوتی
تیرے جذبات مصفا تھے جواہر نادر — کوئی دن اور بھی دولت یہ لٹائی ہوتی

ابھی تازہ تھا غمِ رحلتِ آزاد و سرور
تیرے سر میں تو سفر کی نہ سمائی ہوتی

گلشنِ ہند کی رونق تھا ترانہ تیرا — کون سے کنج میں اب ہوگا ٹھکانا تیرا
ساغرِ نو میں مئے کہنۂ سرمد کی جھلک — برق شعلوں میں وہی سوز پرانا تیرا
دیر تک تجھ کو نہ بھولیں گے زمانے والے — گو بسر ہو گیا یوں جلد زمانہ تیرا
روئیں گے خم کدۂ شعر میں آنے والے — چھیڑے گا پیرِ مغاں جب کہ فسانہ تیرا

بوئے گل پھاند کے دیوارِ گلستاں نکلی
بس یہی گلشنِ امکاں سے ہے جانا تیرا

محروم

۲۷۔ کسی لڑکے کا مدرسے میں انتظار

دیر بھان ایک نہایت ہونہار لڑکا دس بارہ سال کی عمر چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا چیچک نکلی اور عین امتحان کے دن ملکِ بقا کو روانہ ہوا۔

آ جلد مدرسے پہنچ اے دیر بھان آج — تجھ کو خبر نہیں ہے کہ ہے امتحان آج
ہیں آ کے بیٹھے کب سے ترے ہم سبق یہاں — آنا بھی تھا سویرے کہ ہے روزِ امتحاں
اتنی تو دیر کرنے کی عادت نہ تھی تجھے — کچھ غیر حاضری سے محبت نہ تھی تجھے
تو سب سے پہلے روز پہنچتا تھا مدرسے — کیوں گھر پہ آج رہ گیا کیا ہو گیا تجھے

کھولی نہیں ہی کیا ابھی خواب سحر نے آنکھ
سورج دکھا رہا ہے مری جاں ادھر سے آنکھ

اٹھ آنے والی رات پہ غفلت کو ٹال تو
اب مدرسے کا وقت ہے جزداں سنبھال تو

اے ویر بھان آج تو بے طور نیند ہے
تجھ کو عبث جگاتے ہیں یہ اور نیند ہے

افسوس تو تو اور ہی خواب گراں میں ہے
ہے روح اس جہان میں جسم اس جہان میں ہے

چیچک نے آہ تجھ کو پیام قضا دیا
ہم کس طرح جگائیں اجل نے سلا دیا

گھڑیال کی صدا ابھی نہ تجھ کو جگا سکی
بانگ طیور صبح نہ کچھ کام آ سکی

کیسی گھڑی میں آہ تجھے آئی سیتلا
اے کاش کرتی رحم کبھی کچھ مائی سیتلا

یوں ناشگفتہ غنچے کوئی توڑتا نہیں
گلچین مرگ آہ، مگر چھوڑتا نہیں

ہے ہی عذاب موت کا ننھی سی جان پر
دیکھے جسے کے پھٹتا ہے ماں باپ کا جگر

اُمید بھی ہے یاس کی زخم نہاں بھی ہیں
مصروف چارہ سازی بھی ہیں نوحہ خواں بھی ہیں

تقدیر الٹ گئی کہ دوا میں اثر نہیں
افسوس اب علاج کوئی کارگر نہیں

بیٹھی ہے موت تاک میں بچے پہ وار ہے
اب کیا رہا کہ تیر کلیجے کے پار ہے

اب تک بھی ہے یہ وہم کہ روٹھا ہوا نہ ہو
شانہ ہلا رہے ہیں کہ سویا ہوا نہ ہو

پر بولنا محال ہے اب ویر بھان کا
واقف نہیں رہا وہ ہمارے جہان کا

پڑھ کر یہاں خموشی جاوید کا سبق　　ہے دیکھتا کتاب بقا کا ورق ورق
ننھے سے دل میں آہ وہ طوفان ذوق علم　　پہلو میں لے گیا ہے تو ارمان ذوق علم
وہ دلفزا امیدیں وہ بچپن کے ولولے　　تیرے یہ غم گسار ترے ساتھ اٹھ چلے
اے آہ بچپنے کی وہ معصوم حسرتیں　　معدوم ہو گئیں تری موہوم حسرتیں

طے ہو گئیں وہ تیری خیالی ترقیاں
وہ عمر کے مدارج عالی ترقیاں

وہ بھولی بھالی شکل ہے آنکھوں کے روبرو　　کمرے میں پھر رہی ہے وہ تصویر ہو بہو
اُبھرا ہوا وہ ماتھا وہ آنکھیں غزال سی　　اور ان پر ابروؤں کی سجاوٹ ہلال سی
آیا ہوا لبوں پہ تبسم ذرا ذرا　　وہ توتلی زباں کا تکلم ذرا ذرا
بچپن کی شوخیاں وہ ادب سے رکی ہوئیں　　ہر وقت وہ کتاب پہ آنکھیں جھکی ہوئیں
ہائے وہ تیری ظاہر و باطن کی خوبیاں　　بچتے نہیں وہ ہوتی ہیں یہ جنکی خوبیاں

ہونا ہی تھا جدا کہ ہمیں تجھ سے پیار تھا
مرنا ہی تھا تجھے کہ بہت ہونہار تھا

محرومؔ

۲۸۔ کلیجے کا داغ

زینہ نہ بامِ عرش کا اتنا بلند تھا
میری دعا کو بابِ اجابت ہی بند تھا
تیرا جل کو آہ نہ درماں پسند تھا
اچھا ہوا کسی سے نہ، وہ دردمند تھا

دھڑکن گئی نہ دل کی نہ دردِ جگر گیا
بالیں سے نا امید تری چارہ گر گیا

وہ آہ تیری چاند سی صورت کدھر گئی
آنکھوں کا نور، رُخ کی صباحت کدھر گئی
ہونٹوں کی لال لال وہ رنگت کدھر گئی
بچپن کی مسکرانے کی عادت کدھر گئی

ہونٹوں پہ اب ہنسی ہے نہ جنبش زبان کو
کیا جانے کیا ہوا مری ننھی سی جان کو

چہرے سے آہ یوں ہی صباحت اڑی ہوئی
جیسے خزاں میں پھول سے نکہت اڑی ہوئی
دل سرد جسم سے ہے حرارت اڑی ہوئی
رُخ سے گلاب کی سی ہی رنگت اڑی ہوئی

آنکھیں کنول سی ہیں نہ وہ چہرہ ہی پھول سا
لوگو، ہے آج کچھ مرا ننھا ملول سا

پنہاں اجل کا دستِ ستم آستیں میں ہے
مجھ کو خبر نہ تھی کہ یہ ظالم کمیں میں ہے
آنکھوں میں نور ہے نہ صباحت جبیں میں ہے
قالب یہاں ہی روح بہشتِ بریں میں ہے

زانو پہ سو گیا مرے سر رکھ کے آہ تو
کھولے گا آنکھ کب مرے نور نگاہ تو

گو مجھ سے اب نگاہ نہیں آشنا تری — مجھ کو مگر ہے آہ وہی مامتا تری
اگلی سی وہ اگرچہ نہیں ہے ادا تری — اس غم میں بھی شبیہ ہی تسکیں فزا تری

تو کوئی دم میں خاک کا پیوند ہی سہی
بوسے تو لے رہی ہوں، میں لب بند ہی سہی

صبر و سکوں کا کر نہ سفینہ تباہ تو — ماں کا سمجھ کے تو دل داد خواہ تو
بے نور آنکھ ہے مری نور نگاہ تو — یعنی ہے مجھ غریب کا روز سیاہ تو

میں نے سمجھ کے خاک کا پتلا زمین کو
حافظ خدا ترا، تجھے سونپا زمین کو

ایذا سے جان زار جو کاہش طلب رہی — دن بھر پسر کی یاد میں میں مضطرب رہی
جب نصف شب گذر گئی اور نصف شب رہی — دل میں نہ آہ طاقت رنج و تعب رہی

نیند آ گئی تو طرفہ تماشا نظر پڑا!
اک گنج پر فضا لب دریا نظر پڑا

پچھلے پہر کا وقت تھا جاں بخش تھی ہوا — اور میرے ساتھ تھا مرا ننھا ٹہل رہا
صورت تھی پیاری پیاری وہ معصوم دلربا — اک پھول تھا گلاب کا گویا کھلا ہوا

پھولوں کی بو سے باد صبا عطر بیز تھی
سر پر شعاع نور کی اک جلوہ ریز تھی

چہرے پہ نور کی جو کرن تھی چمک رہی
تھی گورے گورے گالوں پہ سرخی جھلک رہی
وقت خرام نازنظر تھی لچک رہی
شبنم ادھر گلاب تھی رخ پر چھڑک رہی

رخ پہ جو چاندنی نے اجالا تھا کر دیا
مکھڑے کا اور حسن دوبالا تھا کر دیا

کہتا تھا مسکرا کے مجھے یوں دکھا کے پھول
کس رنگ کے یہ گل ہیں یہ ہیں کس ادا کے پھول
کلیاں گلاب کی ہیں نہ یہ موتیا کے پھول
دلکش عجب ہیں اس چمن دلکشا کے پھول

دنیا کی ہے ہوا انہیں چھو بھی نہیں گئی
اڑ کر یہاں کی خلد سے بو بھی نہیں گئی

اس کنج دلنشیں کی ہے آب و ہوا پسند
دنیا کی اب نہیں مجھے آماں ادا پسند
ہو جس کو خلد کا چمن دلکشا پسند
کانٹوں کو دہر کے وہ کرے آہ کیا پسند

دنیا سے آہ اب مجھے دلبستگی نہیں
میں شاد ہوں کہ مجھ کو غم خستگی نہیں

میں جانتا ہوں ضبط کی عادت ہے کم تمہیں
برسوں رلائے گا مرے مرنے کا غم تمہیں
ڈھارس بندھاؤ دل کو عبث ہے الم تمہیں
رونا نہ اب مجھے مرے سر کی قسم تمہیں

اشکوں سے میرے غم میں نہ آنکھوں کو تر کرو
دنیا میں کچھ دنوں خوش و ناخوش بسر کرو

سرورؔ جہاں آبادی

۲۸۔ بچہ کی قبر

بے خبر ماں تجھ کو اس بچے کی بھی ہے کچھ خبر
گود میں تیرے ہمکتا تھا جو کل تک بار بار

گوری گوری اس کی وہ رنگت وہ مکھڑا چاند سا
اور وہ صورت اس کی جس پر رات دن تھی تو نثار

کل بلا میں لیتی تھی تو دیکھ کر انداز خواب
آج کیوں آتا نہیں سونے پہ اسکے تجھ کو پیار

اف وہ وحشتناک جنگل اور اندھیاری وہ رات
آہ وہ معصوم بچہ اور وہ کنجِ مزار

لے خبر لے دیکھ ڈر جائے نہ وہ بچہ کہیں
کیا اسے آغوش میں لینا ہے تیرا ننگ و عار

کیا ہوئی وہ تیری الفت کیا ہوئی وہ مامتا
کیوں نہیں اس کے لئے دل آج تیرا بیقرار

اپنے سینہ سے لگا کر تو سلاتی تھی جسے
آج وہ ہے اور اک کنجِ لحد تاریک و تار

آج لپٹے ہیں اسی میں چند کیڑے قبر کے
جس گلے میں تو نے پہنائے تھے تعویذوں کے ہار

ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہی اٹا سب خاک میں
ہائے وہ پیکر جو کل تک تھا ترے زیبِ کنار

جب تری آواز سنتا تھا مچل جاتا تھا وہ
آج وہ ہے اور خموشی چاہے لاکھ اس کو پکار

اک اشارے ہی کسی کے ہو گئی ہے آج بند
اس کی وہ آواز جو تھی روکشِ صوتِ ہزار

جس کو پہنایا تھا تو نے جامۂ گلگوں کل
آج اس کی تن پہ کیڑوں نے کیے نقش و نگار

زندگی میں تو ہر اک عیب و ہنر پر تھی نظر
دیکھ لے یہ حال بھی جا کر بچشم اعتبار

عزیز لکھنوی

۲۰۔ ماں کی بین

ٹک تو پیارے لب کو کھول — غوں غاں کر یا در سے بول
ہے ہے میرے لال امول — جی ماں کلہے ڈالواں ڈول

تجھ بن میرے نور العین
کیونکہ ہو اس دل کو چین

روتا میں کس کو بہلاؤں — دودھ تھپک کر کس کو پلاؤں
چھاتی آگے کس کو سلاؤں — جھولے میں اب کس کو جھلاؤں

تجھ بن میرے نور العین
کیوں کر ہو اس دل کو چین

بچے کو چڑیا جو گنوائے — جنگل جنگل ڈھونڈنے جائے
دانا پانی اس کو نہ بھائے — رین بسیرے نیند نہ آئے

تجھ بن میرے نور العین
کیوں کر ہو اس دل کو چین

جاگ پیارے ہوئی اویر — سوہت "لالا" اتنی دیر
مجھ ماں سے مت انکھیں پھیر — زیست سے مجھ کو مت کر سیر

تجھ بن میرے نور العین
کیونکر ہو اس دل کو چین

نظیر اکبر آبادی

۳۱۔ ماں کو نزع میں بچی کا دھیان

(یہ دونوں جگر دوز نظمیں خود جناب محروم کی اہلیہ آنجہانی کے انتقال پُر ملال کی یادگار ہیں۔ ودیا طول عمرہا ان کی بچی ہے جس کو ماں نے خورد سال چھوڑا)

چلی ہوں چھوڑ کے بے پر کو آشیانہ میں — کسی کا کون ہے ہمدرد اس زمانہ میں
قضا کو خاک ملے گا مرے مٹانے میں — نہیں ہے عذر مجھے تو جہاں سے جانے میں

نہیں ملال کہ میرا مآل کیا ہوگا
یہ فکر ہے مری ودیا کا حال کیا ہوگا

جو میری گود سے دم بھر جدا نہ ہوتی تھی — جو میری آنکھ سے اوجھل ذرا نہ ہوتی تھی
میں اپنی بچی پہ کس دن فدا نہ ہوتی تھی — جو رات آنکھوں میں کٹتی خفا نہ ہوتی تھی

ہے کون جوہری نازوں پلی کو پالے گا
کوئی تو خاک سے گوہر مرا اٹھا لے گا

محروم

۳۲۔ معصوم بچی ماں کی میت پر

جاگو، اسے اٹھا لو سو کر اٹھی ہے رو دیا
کیوں برخلاف عادت رو کر اٹھی ہی رو دیا
بے تاب اس طرح کیوں رو کر اٹھی ہی رو دیا
صبر و قرار شاید کھو کر اٹھی ہے رو دیا
اس کو بھی غائبانہ معلوم ہو گیا ہے
خواب عدم میں تم ہو یا بخت سو گیا ہے

نظروں سے آہ کیا کیا حسرت ٹپک رہی ہے
رہ رہ کے منہ ہمارا حیرت سے دیکھتی ہے
چہرے سے ہی نمایاں دل کی جو بے کلی ہے
تیری تلاش اس کو اے مہر مادری ہے
وہ گود سے ہماری آخر مچل کے نکلی
جاتی ہے کس طرف کو گھٹنوں پہ چل کے نکلی

گھٹنوں پہ چل کے نکلی بستر کے پاس پہنچی
ننھے سے ہو دل میں کچھ لے کے آس پہنچی
کیا مطمئن سنبھالے ہوش و حواس پہنچی
لیکن کچھ اس سے پہلے اے وائے یاس پہنچی
کس کو پکارتی ہے منہ سے کفن اٹھا کر
منزل پہ ٹھنڈے ٹھنڈے پہنچے وہ لدلدا کر

جی بھر کے دیکھ لے تو منھ اپنی پیاری ماں کا
موقع نہیں ہی ودیا یہ ہوں کا اور ہاں کا
مطلب نہیں سمجھتی کیا تو مری فغاں کا
لوٹا ہے ہاتھ تجھ پر بیداد آسماں کا

اب مانگتی ہے ودیا غوں غاں کی کاوش سی
کرتی ہے بھولے بھالے دل کو تو شاد کس سی

ان سرد چھاتیوں میں کیا شیر ڈھونڈتی ہی
پتھر ہیں موم کی تو تاثیر ڈھونڈتی ہے
اب شمع کشتہ میں کیا تنویر ڈھونڈتی ہی
کیسے شکار ہلے تقدیر ڈھونڈتی ہے

مردے سے اپنی ماں کے یہ پیار کر رہی ہے
مجھ سخت جاں پہ یارب یہ کیا گزر رہی ہے

لو اُٹھ کے بیٹھو کہ ودیا سرہانے آئی ہے
تمہارے منھ سے وہ دامن اٹھانے آئی ہے
ادائے طفلی کو بی تو دکھانے آئی ہے
کہ ہنستی آئی ہے تمکو ہنسانے آئی ہے

وہ چل کے آئی ہے گھٹنوں پہ تھک گئی ہوگی
تمہارے پیار سے پھر اس کو تازگی ہوگی

اٹھا بھی لو کہ بہت بیقرار ہے ودیا
نگاہِ مہر کی امیدوار ہے ودیا
رہینِ سختی صد انتظار ہے ودیا
نہ چھوڑ جاؤ اسے شیر خوار ہے ودیا

پکارتی ہے تمہیں آج کس قرینے سے
اُبل کے شیر ٹپکتا نہیں ہے سینے سے

۳۴ یتیم کا پیام ماں کے نام

ایک بچہ جس کی ماں کا ہو گیا تھا انتقال
میرے پاس آیا کہیں سے روتا روتا ایک دن

اور کہا رو کر کہ ماں کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں
کھانا تک کھایا نہیں ہے صاف گزرا ایکدن

چھوڑ کر بے کس خدا جانے کہاں رخصت ہوئی
ہے بہت مشکل مجھے بے ماں کے جینا ایک دن

تم سے مل جائے تو کہنا مجھ کو بھی لے جائے ساتھ
یا چلی آئے وہاں سے رہ کے دو یا ایک دن

کیسی بستی ہے وہ کیسے گھر ہیں کیسے لوگ ہیں
تو نے تو جا کر وہاں خط بھی نہ بھیجا ایک دن

پیار کرتی منہ دھلاتی کپڑے پہناتی تھی روز
یوں پھٹے کپڑے سے میں رہتا نہیں تھا ایکدن

کون چمکارے مجھے اور کون لے آغوش میں
خواب میں بھی تو نے حال آکر نہ پوچھا ایکدن

اپنے سینہ سے کبھی اک دم نہ کرتی تھی جدا
اب یہ تنہا بے کسی میں کیسے چھوڑا ایک دن

اب نہیں کرنے کا ضد اب کچھ نہ مانگوں گا کبھی
خستہ حالی پر مری آ رحم فرما ایک دن

اب نہیں رونے کا رونے سے خفا ہے تو اگر
اچھی اماں گود میں لے لے مجھے آ ایک دن

تجھ کو بن میرے وہاں کٹتے ہیں کیسے روز و شب
مجھ کو بے تیرے یہاں ہے سو برس کا ایک دن

اے خدا ایسے یتیم و بے نوا پر فضل کر
یہ دعا کی اور اکبر خوب رویا ایک دن

اکبر

۳۴۔ یتیم اور گورِ پدر

ننھے ننھے ہاتھ اپنے قبر پر رکھے ہوئے
پڑھ رہا تھا سورۂ الحمد میں با چشمِ تر

دفعتہً اُمڈا جو دل رو رو کے یہ کہنے لگا
مجھ سے اے بابا خفا تم ہو گئے کیوں اس قدر

کیا سبب ہے کون سی مجبوریاں درپیش ہیں
اتنی رات آئی ہے اور اب تک نہیں چلتے ہو گھر

سو رہے ہیں اپنے اپنے آشیانوں میں پرند
زمزمے کرتے نہیں اس وقت مرغانِ سحر

ہر طرف سے یہ درندوں کی صدائیں ہولناک
یہ ڈراونی رات یہ قبریں یہ جنگل پر خطر

ہائے یہ عالم کہ دنیا کر رہی ہے سائیں سائیں
اور اکیلا رو رہا ہوں میں تمہاری قبر پر

تم نے چھوڑا تھا کبھی تنہا مجھے ایسی جگہ
گود میں لے لو مجھے معلوم اب ہوتا ہے ڈر

آسماں پر ایک سنّاٹا ہے چھایا ہوا
ڈوبتے تاروں سے پیدا ہیں کچھ آثارِ سحر

میں ہوں اے بابا وہی پروردۂ آغوشِ ناز
لے کے سینے پر جسے سوتے تھے اپنے رات بھر

کیوں کفن میں منہ چھپایا ہے وہی منحوس ہوں
دیکھتے تھے منہ مرا تم اٹھ کے ہنگام سحر

منتوں پر منتیں تھیں میرے جینے کے لئے
تھیں دعاؤں پر دعائیں تا نہ لگ جائے نظر
منع کر دیتے تھے فوراً تم اشارے سے مجھے
غیر الفت سے بھی کوئی چیز دیتا تھا اگر
اب وہی ہم ہیں کہ مانگیں بھی تو مل سکتا نہیں
مر گئے تم جب سے ہے ہم پر حقارت کی نظر
خیر اے بابا ذرا یہ بات بھی رکھیے گا یاد
آج بالوں کا مری لیتے نہیں کچھ آپ اثر
روٹھ کر اٹھا ہی تھا چلا کے بیں روتا ہوا
قبر سے آواز آئی اے مرے نور نظر
میں فدا تجھ پر ارے یہ کیا غضب تو نے کیا
ایسے ویرانے میں آتا ہے کوئی جانِ پدر
اے مرے نازوں کے پالے میں عجب عالم میں ہوں
گود میں لے کر تجھے کس طرح سے پہنچاؤں گھر
آہ اے معصوم بچے کیا کروں مجبور ہوں
تیری ان باتوں سے ٹکڑے ہو گئے قلب و جگر

ہائے ظالم موت تو نے کیا ستم مجھ پر کیا
میرے بچے ہو گئے یوں تیرے ہاتھوں دربدر
تو یہاں آیا کسی نے تجھ کو روکا بھی نہیں
میرے مرتے ہی ہوئے ایسے اعزّہ بے خبر
قوم تیری بھی خبر گیری نہیں کرتی ہے کیا
میری جاں ہوتی ہے کیا اب فقر و فاقہ میں بسر
ہائے دنیا سے میں کیا کیا حسرتیں لے کر اٹھا
تیرا سہرا بھی نہ دیکھا میں نے اے لخت جگر
سخت مجبوری ہے بیٹا ہم کہاں اور تم کہاں
گھر سدھارو گھر سدھارو وقت ہی یہ پرخطر
میں بھی زندہ ہوں خدا تجھ کو اگر زندہ رکھے
شاد رہ تو اے مرے نخلِ تمنا کے ثمر
جا مری جاں جا بس اتنا روح کو صدمہ نہ دے
پھر کبھی آنا مگر تنہا نہ آنا اے پسر
یاد رکھ میری وصیت اے نہال آرزو
قوم کی حلقہ بگوشی میں بسر کر عمر بھر

ہے تری وابستگی ان سے مرا قومی شرف
چھوڑنا دامن نہ ان کا وہ چھڑائیں بھی اگر

جتنی باتیں میں نے اعجاز محبت سے کہیں
قوم سے کہنا مری جانب سے اے نور نظر

ہو عزیز نکتہ پرور کی زبانی یہ پیام
وہ بہت روتا ہے خلوت میں تمہارے حال پر

سب کو پڑھ کر تم سنا دینا مرا یہ خطِ شوق
مجتمع ہو قوم جس جلسے میں اے جانِ پدر

السلام اے ساکنانِ بزمِ ہستی السلام
اس جگہ ہم ہیں کہ تم سے کر نہیں سکتے کلام

ہو مبارک تم کو اس دنیا کا منظر دیکھنا
جب کبھی فرصت ملے ہم کو بھی مڑ کر دیکھنا

ساز و برگ عالم ہستی رہی ہے یا نہیں
یہ بتاؤ یاد کرتے ہو ہمیں بھی یا نہیں

آہ وہ لخت جگر وہ تازہ نخل مدعا
چھٹ گیا ہے جب سے اور میں ہو گیا اس سے جدا

اب یہ ہدیہ آرزو نیک نامی میں دیا
اپنا فرزند آپ کو میں نے غلامی میں دیا
میرے رشتہ سے بھتیجا ہے مگر سمجھو غلام
اس سے زائد کچھ نہیں کہنا ہے مجھ کو والسلام

عزیز

۳۵. کسی کی وصیت

رنج کرنا نہ میرا ایں قربان | سُن لو گر اپنی جان ہی تو جہان
دل میں کڑھنا نہ مجھ سے چھوٹ کے تو | جان دینا نہ گھونٹ گھونٹ کے تو
آگے رو دینا میری قبر کے پاس | تا نکل جائے تیرے دل کی بھڑاس
آنسو چپکے سے دو بہا لینا | قبر میری گلے لگا لینا
اگر آ جائے کچھ طبیعت پر | پڑھنا قرآن میری تربت پر
غنچۂ دل مرا کھلا جانا | پھول تربت پہ دو چڑھا جانا
رو کے کرنا نہ اپنا حال زبوں | یوں نہ ہو جائے دشمنوں کو جنوں
میرے مرقد پہ روز آنا تم | فاتحہ سے نہ ہاتھ اٹھانا تم
ہے یہ حاصل سب اپنی باتوں سے | مٹی دینا تم اپنے ہاتھوں سے
دل پہ کچھ آنے دیجیو نہ ملال | خواب دیکھا تھا سمجھیو یہ خیال

رنج و راحت جہاں میں توام ہے — کبھی شادی ہے اور کبھی غم ہے
ہے کسی جا پہ جشن شام و پگاہ — کسی جا ہے صدائے نالۂ و آہ
مرگ کا کسی کو انتظار نہیں — زندگی کا کچھ اعتبار نہیں
پھر ملاقات دیکھیں ہو کہ نہ ہو — آج دل کھول کے گلے مل لو
حشر تک پھر یہ ہوگی بات کہاں — ہم کہاں تم کہاں یہ رات کہاں
خاک میں ملتی ہے یہ صورت عیش — پھر کہاں ہم کہاں یہ صورت عیش
ختم ہوتی ہے زندگانی آج — خاک میں ملتی ہے جوانی آج

چین دل کو نہ آئے گا ہم بن
اب کے بچھڑے ملیں گے حشر کے دن

مرزا شوق

۲۶. کسی کا جنازہ

آگے آگے ہے کچھ جلوس رواں — سر کھلے پیچھے پیچھے پیر و جواں
سن رسیدہ ہیں عورتیں کچھ ساتھ — سینہ و سر پہ مارتی ہیں ہاتھ
کوئی ماما ہے کوئی دائی ہے — کوئی انا کوئی کھلائی ہے
جب وہ بھرتی ہیں غم سے آہ سرد — سننے والوں کے دل میں ہوتا ہے درد
ہوتا ہے غیروں کو ملال ان کا — دیکھا جاتا نہیں ہے حال ان کا

اس کے پیچھے پڑی پھر اس پہ نگاہ
کہ نہ دیکھے بشر معاذ اللہ

تھی پڑی اس پہ ایک چادر گل
جس سے خوشبو وہ راہ تھی بالکل

بھیڑ تابوت کے تھی ایسے ساتھ
جیسے آگے کسی دلہن کے برات

سب وضیع و شریف تھے ہمراہ
بھیڑ تھی اس قدر کہ بند تھی راہ

پیچھے پیچھے تھا سب کے سوداگر
مو پریشاں اُداس خاک بسر

آگے آگے جنازہ جاتا تھا
غش اسے ہر قدم پہ آتا تھا

ہاتھ تھامے تھے اقربا سارے
تا کسی جا پہ سر نہ دے مارے

حال اس درجہ ہو رہا تھا زبوں
بہتا جاتا تھا سر کے زخم سے خوں

سب امیر و فقیر روتے تھے
دیکھ کر راہ گیر روتے تھے

پیچھے فینس میں سب کے تھی مادر
کہتی جاتی تھی اس طرح رو کر

تیری میت پہ ہو گئی میں نثار
کم سخن ہائے میری غیرت دار

کچھ نہیں ماں کی اب خبر تم کو
کس کی یہ کھا گئی نظر تم کو

دل پہ جو گزری کچھ بیاں نہ کی
کچھ وصیت بھی میری جاں نہ کی

دل ضعیفی میں میرا توڑ گئے
بیٹا اس ماں کو کس پہ چھوڑ گئے

تازہ پیدا جگر کا داغ ہوا
گھر مرا آج بے چراغ ہوا

دل کو ہاتھوں سے کوئی ملتا ہے
جی سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے

زہر دیدو کوئی میں کھا جاؤں
یا زمیں شق ہو میں سما جاؤں

داغ تیرا جگر جلاتا ہے ۔۔۔ چاند سا مکھڑا یاد آتا ہے
مٹ گیا لطف زندگانی کا ۔۔۔ دل کو غم ہے تری جوانی کا
بیاہ تیرا رچانے پائی نہ میں ۔۔۔ کوئی منت بڑھانے پائی نہ میں
تیری صورت کے ہو گئی قربان ۔۔۔ چلیں دنیا سے کیسی پر ارمان
ہوئیں کس بات پر خفا بولو ۔۔۔ آما، واری ذرا جواب تو دو
بولتی تم نہیں پکارے سے ۔۔۔ اب جیونگی میں کس سہارے سے
کیا قضا نے جگر پہ داغ دیا ۔۔۔ آج گھر میرا بے چراغ کیا
نکلا ماں باپ کا نہ کچھ ارماں ۔۔۔ ہائے بیٹی نہ تم چڑھیں پرواں
ایسی اس ماں سے ہو گئیں بیزار ۔۔۔ لی نہ خدمت بھی پڑ کے کچھ بیمار
نہ جیونگی ترے فراق میں میں ۔۔۔ دل تڑپتا ہے آنکھیں ڈھونڈتی ہیں
کس مصیبت میں پڑ گئی بیٹا ۔۔۔ کوکھ میری اجڑ گئی بیٹا

عمر کتنی تھی ایسے صدمے میں
ٹھوکریں تھیں میرے بڑھاپے میں

مرزا شوق

۳۷۔ مزار

دنیا کا طریقہ ہے کہ جب مرتا ہے انساں
رو دھو کے غرض کرتے ہیں تکفین کا ساماں

لے جاتے ہیں سب مل کے سوئے شہر خموشاں
ہاتھوں سے تہِ خاک اسے کرتے ہیں پنہاں

مٹی سے لگا دیتے ہیں انبارِ گراں ایک
کہتے ہیں موئے آدمی کا ہے یہ نشاں ایک

کرتا ہے اگر زنگ بہت ہی دل مضطر
بے ساختہ تربت سے لپٹ جاتے ہیں جا کر

دو پھول چڑھا دیتے ہیں بیکس کی لحد پر
کرتے ہیں خطاب اس سے کبھی رو کے وہ دن بھر

فی الجملہ حرارت تو نکل جاتی ہے دل کی
گو کچھ نہ ہو، ہوتی ہے مگر پھر بھی تسلی

امجد

۳۸۔ مزار دوست

قبر پر الحمد پڑھ کر دوست سے میں نے کہا
ہم گریباں چاک ماتم میں ترے دلدار ہیں

شاد ہے کچھ تو بھی زیر خاک اے نازک بدن
شمع روشن ہیں گلوں سے قبر پر انبار ہیں

کیا ہوا مرنے کے بعد اے راہیِ ملکِ عدم
لوگ کیسے ہیں وہاں کے اور کیا اطوار ہیں

منزلیں نزدیک ہیں یا دور ہیں کیا حال ہے
راہ میں کچھ بستیاں ہیں شہر ہیں بازار ہیں

جس محل میں جا کے تو اترا ہے اے رنگیں ادا
کس طرح کا قصر ہے کیسے در و دیوار ہیں

اہل صحبت کون ہیں کیا گفتگو کا طرز ہے
خوش بیاں خوش وضع یا کج فہم بدگفتار ہیں

بات کرنے کی صدا اصلا کبھی آتی نہیں
کس طرح کے لوگ ہیں سوتے ہیں یا بیدار ہیں

قبر سے آئے صدا اے دوست بس خاموش رہ
ہم اکیلے ہیں یہاں احباب نہ اغیار ہیں

پھول کیسے باغ کیسا عقل تیری ہے کہاں
کنج تنہائی ہے اور افعی گلے کا ہار ہیں

گر تمہیں وہ پیکر نازک ہمارا یاد ہو
آج خاک قبر سے اس پر منوں کے بار ہیں

اب زیادہ بات کر سکتے نہیں لے گھر کو جا
دل میں آرزو وہ نہ ہونا کیا کریں لاچار ہیں

ع

۳۹۔ خواب قبر

آسودگی بہ گوشۂ ہستی نہ دیدہ ایم
جاں دادہ ایم و کنج مزارے خریدہ ایم

اے موت بند ہستی سے تو چھڑا دے مجھ کو
آزاد کر کے اپنا بندہ بنا دے مجھ کو

صہبائے بے خودی کے ساغر پلا دے مجھ کو
آ حجرۂ لحد میں چل کر سلا دے مجھ کو

اے قبر ایک مدت سے وصل کا ہے ارماں
آغوش دل میں لے لے شفقت پہ تیری قرباں

سنسان مقبرہ ہو ہر سو ہو، ہو کا عالم
اور لہلہا رہا ہو سبزے کا ایک پرچم
ہر پھول داغِ غم ہو، ہر نخل نخلِ ماتم
آنسو بہا رہی ہو تربت پہ میری شبنم

تنہائی ہو محافظ خاکی مکاں کی میرے
اور بے کسی ہو درباں اس آستاں کی میرے

میں ہوں فقط اکیلا کچھ مال ہو نہ زر ہو
دو گز کا ایک کفن ہو، کچھ پاس اپنے گر ہو
کپڑا سفید سر سے پا تک تنا ہوا ہو
ڈھیلوں سے ایک تکیہ سر سے مرے لگا ہو

وہ دن کب آئیں گے جب احباب روتے ہونگے
ہم اپنا منہ لپیٹے بے فکر سوتے ہوں گے

محمد اسلم عظیم آبادی

۴۔ کفن دفن

تن مُردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مشین بدن تھا معطّر کفن تھا
جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

نظر آگئے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا۔

نظیر اکبر آبادی

۴۱. قبرستان

ایک دن گورِ غریباں میں ہوا میرا گذر
دل کے داغ ابھرے ہوئے دیکھے بساطِ خاک پر

ہنس رہی تھیں جا بجا لوٹی ہوئی قبریں جہاں
عالمِ اسباب کی نیرنگیوں کو دیکھ کر

ان کی قبروں پر کہ جو تھے مجلس آرائے وجود
شمع روشن تھی نہ تھی اک چادرِ گلہائے تر

رو رہی تھیں صرف ناکامی پر ان کی حسرتیں
کوئی ماتم کرنے والا تھا نہ کوئی نوحہ گر

ہو کا عالم اور بھیانک رات اور وہ بیکسی
ہل گیا دل عالمِ گورِ غریباں دیکھ کر

خونِ دل بہنے لگا آنکھوں سے دھیان آیا مجھے
دفن اس عبرت سرا میں ہے مرا مشفق پدر

یہ خیال آتے ہی دوڑا ایک تربت کی طرف
فاتحہ پڑھنے کو تنہا خاک بر سر نوحہ گر

قبر کے ذرات کو دی جذبِ دل نے زندگی
خاک میں جنبش ادھر تھی، ہل رہا تھا دل ادھر

عزیز

۴۴۔ ملکہ نور جہاں کا مزار

ہاں اے لبِ راوی بتا کچھ رفتگاں کا ماجرا
کل تجھ پہ جن کا راج تھا، انجام ان کا کیا ہوا

ہے اب کہاں نور جہان حور جہاں عصمت کی جان
وہ بلبلِ شیریں زباں وہ قمریِ ہندوستاں
تیرے کنارے ہے پڑا لوٹا سا جس کا آشیاں عبرت فشاں غیرت نشاں

شوکت تھی جس کی پاسباں چاکر سے تھے جاہ و حشم
تھی بحر و بر کی سب پہ حاضر لئے تیغ دو دم

خیل و خدم ناز و نعم خیل و خیم طبل علم
افسوس رکھے رہ گئے خود چل دیئے سوئے عدم
عالم میں ہے کس کو بقا نام بقا کس نے لیا قصر فنا ہی آسماں

آئی کہاں سے موت تو ایوان شاہی میں ادھر
کیا پاسباں حاضر نہ تھے جو روکتے تیرا گذر

ہاں برتری پرواز کا آیا نہیں ان کو نظر
یوں کھینچ کر لے جاتی ہے انساں سے اس کی روح کو

اڑ جاتی ہے جیسے نکس گل سے عسل کو سینچ کر
یا ہنس ہو جیسے ہوا ڈنٹھل سے ریشہ کھینچ کر

رہتا ہے باقی برزمین، افسردہ گل بے انگبین بیجان جسم ناتواں

تضحیک چرخ پُرجفا دیکھو عیاں ہے برملا
ہے جس جگہ وہ مہ لقا جالا ہے مکڑی نے بنا

تا سائباں کا کام دے بیگم کے شاہی تاج پر
دو چار باقی پیڑ ہیں یا ٹہنیوں کے ڈھیر ہیں

یا چر رہی ہیں بکریاں یا بوم کا ہے آشیاں
شاہی شکوہ و عز و شاں اُڑ جاتے ہیں شبنم صفت

باقی نہیں رہتا نشاں

دنیا نے گو چھوڑا اگر خدمت میں ہے نیچر مگر
دیتی ہے پہرہ رات بھر تربت پہ اس کے چاندنی

وہ بیگم زہرہ جبیں مرقد سے باہر آن کر
اور لے کے مشعل ماہ کی جاتی ہے جانب شام کی

حالت نہ پوچھو راہ کی آنسو نکلتے جاتے ہیں
اور پھول کھلتے جاتے ہیں جب بچھڑے ملتے جاتے ہیں

ہوتا غضب کا ہی سماں

اور جب اندھیری رات ہو تربت ہی اس کی بھاتی ہی
شبنم کہیں آجاتی ہے موتی کا سہرا لاتی ہے

دیتا ہے جگنو ٹمٹما گور غریباں پر دیا
شاخیں بڑھا کر ہاتھ کو پڑھتی ہیں گویا فاتحہ

پتے سنک رہ جاتے ہیں آتی ہے جب ٹھنڈی ہوا
حیرت کا بھی دھڑکے ہے دل ہاں دیکھ کر ایسا سماں

عبرت نگاہی چاہیئے انجام ہے یہ بے گماں
گو اس میں ہو شاہ جہاں یا بادشاہ ایں واں
ہونا ہے تربت میں نہاں

دلؔ

۳۴۔ ملکہ نور جہاں کا مزار

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہی
کہتے ہیں یہ آرام گہہ نور جہاں ہے
مدت ہوئی وہ شمع تہہ خاک نہاں ہے
اٹھتا مگر اب تک سر مرقد سے دھواں ہی

جلوؤں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
تربت پہ ہے ان کی شب دیجور کا عالم
اے حسن جہاں سوز کہاں ہیں وہ شرارے
کس باغ کے گل ہو گئے کس عرش کے تارے

کیا بن گئے اب کرمکِ شب تاب وہ سارے — ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے
یا ہو گئے وہ داغ جہانگیر کے دل کے
قابل ہی تو تھے عاشقِ دل گیر کے دل کے

تجھ سی ملکہ کے لئے یہ بارہ دری ہے — غالیچہ ہے فرش ہے کوئی نہ دری ہے
کیا عالمِ بے چارگی اے تاجوری ہے — دن کو یہیں بسرام یہیں شب بسری ہے
ایسی کسی جوگن کی بھی کٹیا نہیں ہوتی
ہوتی ہے مگر یوں سرِ صحرا نہیں ہوتی

تعویذِ لحد ہے زبر و زیر یہ اندھیر — یہ دورِ زمانہ کے الٹ پھیر یہ اندھیر
آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر یہ اندھیر — اے گردشِ ایام یہ اندھیر یہ اندھیر
ماہِ فلکِ حسن کو یہ برج ملا ہے
اے چرخ تری ہیچ نوازی کا گلا ہے

حسرت ہے ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا — ہوتا ہے اثر دل پہ ان آثار سے کیا کیا
نالے ہیں نکلتے دلِ افگار سے کیا کیا — اُٹھتے ہیں شرر آہ شرربار سے کیا کیا
یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارہ
ہے تجھ سی حسینہ کے لئے ہُو کا نظارہ

چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر — آرام لیا کرتے ہیں اس روضہ میں آکر
اور شام کو بالائے سیہ خالوں سی شپّر — اڑ اڑ کے لگاتے ہیں در و بام پہ چکر

معمور رہے یوں محفلِ جانانہ کسی کی
آباد رہے گورِ غریبانہ کسی کی

آراستہ جن کے لئے گلزارِ چمن تھے
جو ناز کی میں داغ دہ برگِ سمن تھے
جو گل رُخ و گل پیرہن و غنچہ دہن تھے
شاداب گلِ تر سے کہیں جن کے بدن تھے
پژمردہ وہ گل دب کے ہوئے خاک کے نیچے
خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے

رہنے کے لئے دیدۂ و دل جن کے مکاں تھے
جو پیکرِ ہستی کے لئے روحِ رواں تھے
محبوبِ دلِ خلق تھے جاں بخشِ جہاں تھے
تھے یوسفِ ثانی کہ مسیحائے زماں تھے
جو کچھ تھے کبھی تھے مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
ٹوٹے ہوئے پنجرے ہیں پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام ہے دیکھ اے دلِ ناداں
ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مدفنِ ویران
باقی ہیں نہ وہ باغ نہ وہ قصر نہ ایواں
آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں
لوٹا ہوا ایک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا گماں ہے

محروم

۴۴۔ گورِ غریباں

ہم نے دیکھا جب پڑی گورِ غریباں پر نظر — فرش گل کے سونے والے سو رہے ہیں خاک پر
مونس و غمخوار جتنے تھے کنارہ کر گئے — آج کوئی نوحہ گر ان کا نہیں آتا نظر
فاتحہ کو بھی نہ آئے قبر تک وہ آشنا — زندگی میں جو کہ رہتے تھے بہم شیر و شکر
مال و زر یونہی پڑا رہ جائیگا سب دہر میں — کام آئیگا وہی رکھا ہے جو زادِ سفر

ایک دن ہے خاک میں ملنا یہ سب کچھ خاک ہے
دولت دنیا پہ نازاں کیوں ہے انساں اس قدر

اوجؔ

۴۵۔ گورِ غریباں

انگریزی شاعر گرے کی مشہورِ آفاق نظم ایلجی کا ترجمہ جو بہت مقبول ہوا
اصل نظم سے مقابلہ کرنے پر ترجمہ کی پوری خوبی معلوم ہوتی ہے۔

وداعِ روزِ روشن ہے گجر شامِ غریباں کا — چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
قدم گھر کی طرف کس شوق سے اٹھتا ہے دہقاں کا — یہ ویرانہ ہے میں ہوں اور طائر آشیانوں کے

اندھیرا چھا گیا دنیا نظر سے چھپتی جاتی ہے — جدھر دیکھو اٹھا کر آنکھ ادھر اک ہو کا عالم ہے

مگس لیکن کسی جا بھیرویں بے وقت گاتی ہے
جرس کی دور سے پیہم کبھی آواز آتی ہے

کبھی اک گنبدِ کہنہ پہ بومِ خانماں ویرانہ
فلک کو دیکھ کر شکووں کا دفتر باز کرتا ہے
کہ دنیا سے الگ اک گوشۂ عزلت میں جس پنہاں
کوئی پھر کیوں قدم اس کنجِ تنہائی میں دھرتا ہے

قطار اک سامنے ہے مولسریوں کے درختوں کی
وہاں قبریں ہیں کچھ مٹی کی جیسے ڈھیر ہوتے ہیں
ہر اک نے مر کے بس دو گز کفن گز بھر زمیں پائی
بسانے والے جو اس گاؤں کے تھے سب وہ سوتے ہیں

نفس بادِ سحر کا نالۂ پُر درد بلبل کا
ہوئے بیکار سب ان کو اٹھا سکتا نہیں کوئی
وہی بے فائدہ مستوں کی ہو حق شور قلقل کا
ہیں ایسے نیند کے ماتے جگا سکتا نہیں کوئی

نہ چولھے آگ ہی روشن نہ اب انگی گھڑے پانی
نہ گھر والوں کو اب کچھ کام ہے مل کر شبستاں سے
نہ بی بی کو سرِ شام انتظار اب ہے نہ حیرانی
نہ بچے دوڑتے ہیں اب کہ لپٹیں آ کے داماں سے

وہی ہیں یہ جنہیں فرصت ورو مہلت نہ تھی دم بھر
وہی ہیں ہاتھ چلتے رہتے ہی تھی بیشتر جن کے
وہی ہیں یہ جنہوں نے ہل چلائے گیت گا گا کر
بڑے سرکش درختوں کو گراتے تھے تبر جن کے

نہ دیکھیں حال ان لوگوں کا ذلت کی نگاہوں سے
بھرا ہے جن کے سر میں غرہ نوابی و خانی
یہ ان کا کاسۂ سر کہہ رہا ہے کج کلاہوں سے
عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاجِ سلطانی

نہیں شایاں فخر و ناز نوبت اور نقارہ
جو نازاں جاہ و ثروت پر ہیں ان پر موت ہنستی ہے
وہ ساعت آنیوالی ہے نہیں جس سے کوئی چارہ
کہ فانی ہے جہاں ہر اوج کا انجام پستی ہے

نظر آتے نہیں کتبے مزاروں پر تو کیا غم ہے
چراغاں اور صندل اور گل و ریحاں نہ ہو تو کیا
نہیں گر اور کمخواب کی چادر تو کیا غم ہے
جو خوش آہنگ کوئی قاری قرآں نہ ہو تو کیا

بناتے ہو بہو تصویر اگر مدفن پہ رکھنے کو
پلٹ کر اس سے کچھ نکلی ہوئی سانسیں آ نہیں سکتی
دعا ہو فاتحہ ہو مرثیہ ہو آہ و زاری ہو
کوئی آواز ان کے کان تک اب جا نہیں سکتی

خدا جانے تھے ان لوگوں میں کیا کیا جوہر قابل
خدا معلوم رکھتے ہوں گے یہ ذہن رسا کیسے
خدا ہی کو خبر ہے کیسے کیسے ہوں گے صاحبدل
خدا معلوم ہوں گے بازوئے زور آزما کیسے

زمانے نے مگر کوئی ورق ایسا نہیں الٹا
کہ بار فلک سے مہلت یہ پاتے سر اٹھانے کی
مصیبت نے طبیعت کی روانی کو کیا پسپا
کہ بار آنے نہ پائی جوہر ذاتی دکھانے کی

بہت سے گوہر شہوار باقی رہ گئے ہونگے
کہ جن کی خوبیاں سب مٹ گئیں تہ میں سمندر کی
ہزاروں پھول دشت و در میں ایسے کھلے ہونگے
کہ جن کے مسکرانے میں تھی خوشبو مشک اذفر کی

یہ صاحب عزم ہیں گو رزم کی نوبت نہیں آئی
حکومت اپنی قریہ میں کی لیکن دوست دشمن پر
وہ فردوسی یہ ہیں جن کی زباں کھلنے نہیں پائی
وہ رستم ہیں نہیں سہراب کا خوں جنکی گردن پر

مقدر نے نہیں مصروف رکھا قلب رانی میں
وگرنہ حکمرانی کا بھی جلوہ یہ دکھا دیتے
عجب کیا شہرۂ آفاق ہوتے خوش بیانی میں
اور اپنے کارنامے اہل عالم کو سنا دیتے

رہے محروم نیکی سے بچے ہر اک برائی سے
نہ زور مردم آزاری نہ شور فتنہ انگیزی
نہ دولت کی طمع میں بیگناہوں کی گلا کاٹے
نہ کی خلق خدا کے ساتھ بے رحمی و خونریزی

نہ صحبت میں امیروں کی کبھی خون جگر کھایا
نہ لوٹا یا لہو اپنا کبھی جھوٹی خوشامد سے
نہ مل کر روغن قاز آتش نخوت کو بھڑکایا
کہ جس سے خود پسندوں کا تبختر بڑھ چلے حد سے

الگ ہر نیک و بد سے دور دنیا کی مکاید سے
گئے بیگانہ وار از خلق میں بے گانہ وار آئے
رہے محفوظ ابنائے زمانہ کے مفاسد سے
قدم راہ توکل سے کبھی ڈگنے نہیں پائے

نہ دیکھ ان استخواں ہائے شکستہ کو حقارت سے
نکلتا ہے یہ مطلب لوحِ تربت کی عبارت سے
یہ ہے گورِ غریباں اک نظر حسرت سے کرتا جا
جو اس رستے گزرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا جا

لکھے ہیں نام ان قبروں پہ گو کاواک حرفوں میں
زیادہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا اگر سوچیں
مگر بھولے ہوئے کو ٹھیک رستہ یہ بتاتے ہیں
کہ جو مرنے سے ناواقف ہیں رستہ سیکھ جاتے ہیں

جو آیا ہے جہاں میں یاں سے جانا ہے اک دن
مگر جاتے ہوئے پھر کر نہ دیکھے یہ نہیں ممکن
یہ ہونا ہے کوئی چاہے گا دل سے یا نہ چاہے گا
دلوں سے یاد بھی مٹ جائے یہ حاشا نہ جائیگا

کوئی زانو کسی کو ڈھونڈتا ہے دم نکلنے کو
کسی کی ہے یہ خواہش دوست کاندھا دیں جنازے کو
کہ دیکھے اشک گرتے چاہنے والے کے دامن میں
پھر اس پر فاتحہ کی آرزو ہے کنجِ مدفن میں

حقیقت غور سے دیکھی جو ان سب مرنے والوں کی
انھیں کی طرح جیسے مل گئے ہیں خاک میں ہم بھی
تو ایسا ہی نظر آنے لگا انجام کار اپنا
یوں ہی پرسانِ حال آنکلا ہے اک دوستدار اپنا

یہ اس سے ایک دہقانِ کہن سال آکے کہتا ہے
پھر اس کے بعد دل ہی دل میں کچھ غم کھاکے کہتا ہے
کہ ہاں ہاں خوب ہم واقف ہیں دیکھا ہے اسے اکثر
کہ اب تک پھرتا ہے آنکھوں میں پھرنا اس کا سبزہ پر

وہ اس کا نور کے تڑکے ادھر گلگشت کو آنا   وہ لو پھٹنے سے پہلے آکے پھرنا سبزہ زار زمیں
وہ کچھ کم دن رہے اس کا لب جو کی طرف جانا   وہ اس کا مسکرانا دیکھ کر شور آبشار و نسیم

کبھی ایسی ہنسی لب پر کہ ظاہر جس سے کچھ نفرت   اور اس کے ساتھ ہی کچھ زیر لب کہتے ہوئے جانا
کبھی تیوری چڑھا کے منہ بنائے رنج کی صورت   کہ جیسے دل پہ صدمہ ہے زباں جس سے ہے بیگانہ

غرض کیا کیا کہوں اک روز کا یہ ذکر ہے صاحب   کہ اس میداں میں پھرتے صبحدم اس کو نہیں دیکھا
ہوا پھر دوسرا دن اور نظر سے وہ رہا غائب   خیاباں میں اسے پایا نہ دریا پر کہیں دیکھا

پھر اس کے تیسرے دن دیکھتا کیا ہوں جنازے کو   لیے آتے ہیں سب پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت کا
تمہیں پڑھنا تو آتا ہو گا آؤ پاس سے دیکھو   یہ اس کی قبر ہے اور یہ کتابہ سنگ تربت کا

اب آغوش لحد میں سو رہا ہے چین سے کیسا   گیا افسوس لیکن یہ جواں ناکام دنیا سے
دکھایا جاہ و شہرت نے یہ بھولے سے بھی منہ اپنا   پھر ایسے نامرادوں کو بھلا کیا کام دنیا سے

ہر اک کے درد دکھ سے اس کو رہتا تھا سدا مطلب   ہوا ممکن تو یاری کی نہیں تو اشک باری کی
دیا دست تہی کے ساتھ طینت میں کرم یا رب   میں تیری شان کے قربان کیا اچھی تلافی کی

خدا بخشے اسے بس دوست کا رہتا تھا وہ جویا | تو نکلا دوست اک آخر خداوند کریم اس کا
اب اس کے نیک و بد کا ذکر کرنا ہی نہیں اچھا | کہ روشن ہی خدا پر عالمِ امید و بیم اس کا

نظم طباطبائی

۴۶۔ شہر خموشاں

کل سوئے گورِ غریباں جو ہوا میرا گزر | ہو گیا پیش نظر عالمِ ہو کا منظر
اپنی روداد سناتے تھے لحد کے کتبے | اک افسانۂ عبرت تھے وہ خاموش کھنڈر
جن کے پرچم تھے فتح مند و نصرت کی دلیل | جن کی شمشیر سے اقبال کے جھڑتے تھے شرر
جن کی سطوت سے دلیروں کے تھے پتے پانی | جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے شیروں کے جگر
جن کی عظمت کا جہاں بھر میں بجا تھا ڈنکا | جن کا سکہ تھا رواں دہر میں کشور کشور
ماند تھی محفلِ جم بزمِ طرب سے جن کے | شمعِ محفل تھے جہاں اہلِ خرد اہلِ نظر
جن کے دروازے سے دولت کا نشاں ملتا تھا | کسی گنتی میں نہ تھے سیم و زر و لعل و گہر

مستمندوں کے لئے وقف تھی جن کی دولت
ایک توجہ میں سنور جاتے تھے بگڑے ہوئے گھر

جن کی یہ آن تھی یہ شان تھی یہ شوکت تھی | جن کی تمکین سے تھی بزمِ جہاں زیر و زبر
حیف صد حیف وہ تھے گورِ غریباں کی مکیں | دفن تھے خاک میں اور خاک تھی ان کے اوپر

ان کے قبروں پر جو گنبد تھے شکستہ تھے بہت
اینٹ مٹی سے تو چونے سے جدا تھے پتھر

بوم تھے گنبدِ شاہی کے نگہبانوں میں
بیکسی مرثیہ خواں تھی لحدِ شاہاں پر

یہ سماں دیکھ مرا درد سے جی بھر آیا
اور وہیں بیٹھ گیا خاک پہ میں تیورا کر

کس نے اس شہرِ خموشاں کی بِنا ڈالی ہے
خاک پر کس لئے بکھرے ہیں یہ اعلیٰ گوہر

سُن کے یہ بات "فنا" مجھ سے ہوئی یوں گویا
کیا ہوا پڑ گئے کیوں تیری سمجھ پر پتھر

کس میں قدرت ہے کہ کرے گلشنِ عالم تاراج
کس کی طاقت ہے کہ کرے نظمِ جہاں زیر و زبر

کسی کی ہستی ہے جو کہلائے خداوندِ جہاں
ہاں مگر ایک "خدا وند" "خدائے اکبر"

اس کو زیبا ہے شہنشاہی کونین کہ وہ
ایسا بے مثل ہے جس کا نہیں کوئی ہمسر

اس کی توحید کے گاتے ہیں ترانے شب و روز
فرش سے عرش تلک حور و ملک جن و بشر

ذرہ ذرہ سے عیاں شانِ خدائے یکتا
قطرہ قطرہ پہ رواں حکمِ خدائے برتر

جس کو چاہے اسے دنیا میں سرفراز کرے
جس کو چاہے اسے ذلت ہی کرے خوار ابتر

جس کو چاہے اسے دے سلطنت و تاج و سریر
جس کو چاہے وہ کرے خاک نشیں خاک بسر

تاج والے ہی رہیں گے نہ یہاں تاجگزار
چل سکے گی نہ حکومت نہ یہاں زور نہ زر

اس کی قدرت کا یہ ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ ہیں
تاج شاہی پہ لگاتی ہوں ہمیشہ ٹھوکر

کاہ سے کوہ تلک جزو سے لے کر کل تک
سب پہ چلتا ہے عمل میرا بہ فرمانِ قدر

میں نے ہی شہر "خموشاں" کی بنا ڈالی ہے
میرے ہی زیر اثر تو ہیں یہ سب گنبد و در

ج

۴۷۔ فنا

ہے یقین اس کا کہ اک دن یہ گماں کچھ بھی نہیں
یہ زمین کچھ بھی نہیں یہ آسماں کچھ بھی نہیں

کیا ہے انساں ایک مشتِ استخواں کچھ بھی نہیں
بلبلا پانی کا ہے عمرِ رواں کچھ بھی نہیں

سب ہیں فانی کیا زمیں کیا آسماں کچھ بھی نہیں
اک خدا کو ہے بقا دونوں جہاں کچھ بھی نہیں

زندگی تک ایک عالم جن کے تھا زیر نگیں
بعد مردن ان کا اب نام و نشاں کچھ بھی نہیں

رنگ کیا فصل خزاں لائی رکھ اس کا خیال
پھول کی دو دن بہار اے باغباں کچھ بھی نہیں

آہ سے مظلوم کی ڈر ظالم نخوت پرست
سامنے جس کے زمین و آسماں کچھ بھی نہیں

کیسی نادانی ہے کار خیر میں کرتا ہے ڈھیل
موت کے تو سامنے پیر و جواں کچھ بھی نہیں

زرّیں

۴۸۔ فنا

سامنے آنکھوں کے دریا سبز لہراتا ہوا
ناز سے جھونکا نسیم صبح کا آتا ہوا
برف کی وردی میں لشکر ابر کا جاتا ہوا
موسم گلہائے رنگیں دل کو تڑپاتا ہوا

اپنے اپنے وقت پر ہر اک فنا ہو جائیگا
دیکھ لینا چار دن میں کیا سے کیا ہو جائیگا

پھر نہ بحر نیلگوں اس لطف سے لہرائے گا
نے کوئی جھونکا ہوا کا باغ میں پھر آئیگا
ابر کا ٹکڑا اپنی صورت نہ پھر دکھلائے گا
شیشۂ دل سنگ ناکامی سے ٹکر کھائیگا

نام رہ جائے گا باقی بس خدائے پاک کا
نقش وہ مٹ کر رہے گا جو بنا ہی خاک کا

جا چکی ہے ہم سے ہمیشہ کے لیے فصل بہار
موت دروازہ پہ کرتی ہے ہمارا انتظار
بچھڑتے جاتے ہیں بزم عیش یار و غمگسار
ہم کو بھی جانا پڑے گا ہو گی جب اپنی پکار

گردش چرخ بریں نیچا ہمیں دکھلائے گی
مادر گیتی ہمیں آغوش میں بٹھلائے گی

جس جگہ احباب کی اپنے رسائی تک نہیں
بزم عشرت کی صدا جس گھر میں آئی تک نہیں
نغمۂ بلبل جہاں دیتا سنائی تک نہیں
بھول کر جس جا نسیم صبح آئی تک نہیں

ایسے ویراں گھر میں ہم کو چھوڑ جائیں گے عزیز
بعد مردن ہم نہیں گویا رہے ان کے عزیز

عالمِ پیری ہے چہرہ ہو گیا ہے زرد فام
دانت رخصت ہو گئے بازو نہیں دیتے ہیں کام

جسم ٹھنڈا ہو گیا ہے موت کا پہونچا پیام
کوس رحلت بج گیا اپنا بھی یارو والسلام

مادرِ گیتی یوں ہی اک دن فنا ہو جائیگی
چار دن میں آب و تاب اس کی ہوا ہو جائیگی

ہم نہیں دنیا میں جب بادِ نسیم آیا کرے
موجِ بحرِ نیلگوں سر اپنا ٹکرایا کرے

صبحِ عشرت آسماں سے نور برسایا کرے
شامِ وصلت عاشقوں کو لطف دکھلایا کرے

ہم کو کافی ہے زمیں دو ہاتھ سونے کیلئے
فرشِ خاکی خوب ہے اپنے بچھونے کیلئے

عزیز الرحمن صاحب بلگرامی

۴۹۔ محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کارِ عجب

محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی

محبت ہی اس کارخانہ میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانہ میں ہے

محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ — محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ

محبت اگر کارپرداز ہو — دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو

محبت عجب خواب خونریز ہے — محبت بلائے دل آویز ہے

محبت کی ہیں کارپردازیاں — کہ عاشق سے ہوتی ہیں جانبازیاں

محبت کی آتش سے اخگر ہے دل — محبت نہ ہوئے تو پتھر ہے دل

محبت ہی سے دل کو رو بیٹھئے — محبت میں جی مفت کھو بیٹھئے

محبت لگاتی ہے پانی میں آگ — محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ

محبت سے ہے انتظام جہاں — محبت سے گردش میں ہے آسماں

محبت سے روتے گئے یار خوں — محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں

محبت سے پروانہ آتش بجاں — محبت سے بلبل ہے گرم فغاں

اسی آگ سے شمع کو ہے گداز
اسی کے لئے گل ہے سرگرم ناز

میر

۵۔ آغازِ حسن و عشق

یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا
باوجودِ حسن تو آگاہِ رعنائی نہ تھا

عشق روز افزوں پہ اپنے مجھ کو حیرانی نہ تھی
جلوۂ رنگیں پہ تجھ کو نازِ یکتائی نہ تھا

دید کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی
جب کہ تیرا حسن سرگرمِ خود آرائی نہ تھا

کیا ہوئے وہ دن کہ محوِ آرزو تھے حسن و عشق
ربط تھا دونوں میں گو ربطِ شناسائی نہ تھا

تو نے حسرتؔ کی عیاں تہذیبِ رسمِ عاشقی
اس سے پہلے اعتبارِ شانِ رسوائی نہ تھا

یاد ہیں سارے وہ عیشِ بافراغت کے مزے
دل ابھی بھولا نہیں آغازِ الفت کے مزے

وہ سراپا ناز تھا بیگانۂ رسمِ جفا
اور مجھے حاصل تھے لطفِ بے نہایت کے مزے

حسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے
اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے

میری جانب سے نگاہِ شوق کی گستاخیاں
یار کی جانب سے آغازِ شرارت کے مزے

یاد ہیں وہ حسنِ الفت کی نرالی شوخیاں
التماسِ عذر و تمہیدِ شکایت کے مزے

صحبتیں لاکھوں مری بیمارئ غم پر نثار
جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے

حسرتؔ

۵۱۔ اختلاط

ہو چکا وعدہ کہ کل آیئے گا
دیکھئے اب نہ بدل جائے گا

وعدہ آنے کا جو فرمایئے گا
جیسے آج آئے تھے کل آیئے گا

اتنی گھر جانے کی جلدی کیا ہے
بیٹھئے جایئے گا جایئے گا

کہتے ہیں کہہ تو دیا آئیں گے
اب یہ کیا ضد ہے کہ کب آیئے گا

رات اپنی ہے ٹھہریئے تو ذرا
آیئے بیٹھئے گھر جایئے گا

امیر

۵۲۔ ولولۂ عشق

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

غالبؔ

۵۳۔ ولولۂ عشق

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے
مرغِ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا نگۂ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے
خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل پر کروں کیا یوں ہی تسکین ذرا ہوتی ہے

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

اکبرؔ

۵۴۔ کارنامۂ عشق

زہے عشق نیرنگ سازی تری کہ ہے کھیلنا جی پہ بازی تری
تجھی سے ہے آبِ رخِ زرد زرد تجھی سے مرے دل میں اٹھتا ہے درد
تجھی سے ہے بلبل کو نوحہ گری تجھی پر ہے قمری بھی خاکستری

تجھی سے دل شاد غمناک ہے
تجھی سے مرا سینہ صد چاک ہے

تجھی سے ہی مجنون صحرا نورد
تجھی سے ہی پروانہ آتش کا باب

تجھی سے دلِ عاشقاں ہی کباب
تجھی سے ہی پروانہ آتش کا باب

ترا کام دینا ہے بدنامیاں
تری ریجھ دیکھی ہیں ناکامیاں

تجھی میں ہیں یہ کار پردازیاں
تجھی پر ہے موقوف جانبازیاں

میر

۵۵۔ کارنامۂ عشق

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا

ابرار تجھ سے ترساں، احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اس کو گرا کے چھوڑا

راجوں کے راج چھینے شاہوں کے تخت چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ
جو گنج تو نے تاکا اس کو لٹا کے چھوڑا

جس رہگذر میں بیٹھا تو غول راہ بن کر
صنعاں سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

فرہاد کوہ کن کی لی تو نے جان شیریں
اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوب سے بشر کو دی تو نے جان شیریں
یوسف سے پارسا پر بہتاں لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں ہیں دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے ان کو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپلقش جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے خاکا اڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہیں دبے ترے ہمیشہ
ہر معرکہ میں تو نے ان کو دلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالیؔ بچا ہوا تھا
اس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

حالیؔ

۵۶۔ کارنامۂ عشق

عشق آفاتِ آسمانی ہے
برسوں لوگوں نے خاک چھانی ہے

رنگ چہرے کا زرولن سے ہے
دل میں جن کے ہے درد انہی ہے

دل ہی داغوں سے خانہ باغ کئے
گھر کے گھر اس نے بے چراغ کئے

سینکڑوں جی سے کھو دیئے اس نے
لاکھوں بیڑے ڈبو دیئے اس نے

سو گریباں صبر پھٹتے ہیں
دن اسی کے پہاڑ کٹتے ہیں

طوق زنجیر اس کا گہنا ہے
میاں مجنوں نے جس کو پہنا ہے

گو کہ گزری نہیں یہ ہنستے ہیں
اس کے دیوانے تنکے چنتے ہیں

یہ کرشمے انھیں کے سارے ہیں
کیسے کیسے جوان مارے ہیں

پاسِ ناموس اس میں جاتا ہے
آفت آتی ہے جس پہ آتا ہے

رات کتنی محال ہوتی ہے — زندگی تنگ و بال ہوتی ہے
جگر و دل کا خون ہوتا ہے — رفتہ رفتہ جنون ہوتا ہے

پہلے راتوں کو نیند جاتی ہے
آخر کار موت آتی ہے

مرزا شوق

۵۷۔ جوشِ عشق

یعنی تیر اک خستۂ غم تھا — سر تا پا اندوہ و الم تھا
آنکھ لڑی اس کی اک جا گہ — بے خود ہو گئی جان آ گہ
صبر نے چاہی دل سے رخصت — تاب نے ڈھونڈی یکدم فرصت
سینہ فگاری سامنے آئی — بینابی نے طاقت پائی
خواب و خورش کچھ کام نہ آیا — ایک گھڑی آرام نہ پایا
آہ سے اس کی مشکل جینا — درد فقط تھا سارا سینہ
درد دل سے کچھ نہ کہے وہ — ہر اک کا منہ دیکھ رہے وہ
دل میں تمنا داغ جگر میں — شیون لب پر یاس نظر میں
آہ و فغاں ہے اس کے لب پر — روزی نئی اک آفت سر پر
نالے اس کے شب کو سن کر — مر گئے کتنے سر کو دھن کر

نے طاقت نے یارا اس کو   ضعف دلی نے مارا اس کو
دست بدل ہر آن رہے وہ   بے طاقت بے جان رہے وہ
رنگ شکستہ بسکہ فسردہ   کہنے کو زندہ لیکن مردہ
جن نے دیکھا اس کو یک دم   اُن نے کہا یہ بھول گئی سب غم

چندے یہ ناشاد رہے گا
پر مدت تک یاد رہے گا

میر

۵۸۔ غمِ عشق

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا   اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا   کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کی   یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح   کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے یہ بچیں کہاں کہ دل ہے   غمِ عشق اگر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

غالب

۵۹۔ جنون عشق

گئے اس پہ جب دن کئی اور بھی — بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دِوانی سی ہر طرف پھرنے لگی — درختوں پہ جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب — لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی — دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی — بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ — اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا — نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے — محبت میں دن رات گھُٹنا اسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو — تو اٹھنا اسے کہہ کہ ہاں جی چلو
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے — تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی — پہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے — کہا خیر بہتر ہے منگوائیے
کسی نے کہا سیر کیجیے ذرا — کہا سیر سے دل ہے میرا بھرا
جو پانی پلانا تو پینا اسے — غرض غیر کے ہاتھ جینا اسے
نہ کھانے کی سدھ اور نہ پینے کا ہوش — بھرا دل میں اس کے محبت کا جوش

چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر
وہی سامنے صورت آٹھوں پہر
نہفتہ اسی سے سوال و جواب
سارا و برو اس کی غم کی کتاب

میر حسن

۶۰. دلِ بیقرار کیا ہے

مرے جانِ نثار کیا ہے مرے غمگسار کیا ہے
تجھے کیوں ہے اتنی الجھن دلِ بیقرار کیا ہے
کوئی پھانس کیا چبھی ہے کوئی چوٹ کیا لگی ہے
کوئی گریہ کا سبب ہے دلِ اشکبار کیا ہے
نہ یہ کاوشیں ہیں اس میں نہ یہ شورشیں ہیں اس میں
ترے جوشِ غم کے آگے غمِ روزگار کیا ہے
تجھے کیوں ہے اس کی خواہش کہ وہ آئیں تیرے گھر میں
یہ بتا کسی کے دل پر ترا اختیار کیا ہے

عزیز لکھنوی

۶۱. دلِ بیقرار سو جا

کسی مست ناز کا ہے عبث انتظار سو جا
کہ گزر گئی شب آدھی دلِ بے قرار سو جا
ابھی دھان پان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل
یہ تپش کا آہ شیوہ نہ کر اختیار سو جا
نہ تڑپ زمیں پہ ظالم تجھے گود میں اٹھا لوں
تجھے سینے سے لگا لوں تجھے کر لوں پیار سو جا

یہ تری صدائے نالہ مجھے متہم نہ کر دے   مرے پردہ دار سو جا مرے راز دار سو جا
یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی، یہ ہوا کے سرد جھونکے   تجھے دے رہی ہیں لوری مرے غمگسار سو جا

تجھے پہلا سابقہ ہے شب غم بری بلا ہے
کہیں مر مٹے نہ ظالم دل بے قرار سو جا

سرور جہاں آبادی

۶۲۔ دل بیقرار سو جا

نہیں وعدۂ بتاں کا کوئی اعتبار سو جا   نہ کر انتظار سو جا۔ دل بے قرار سو جا
وہ کریں گے برق و باراں کا بہانہ مجھ سے آ کر   نہ ہو بے قرار سو جا، نہ ہو اشک بار سو جا
جو سمجھ ہو تجھ میں ناداں تو یہ بات خوب سمجھے   کہ جہاں میں عہد خوباں نہیں استوار سو جا
تجھے پھینک آؤں گا میں ابھی در پہ صبح ہوتے   نہ تڑپ کہ راز الفت نہ ہو آشکار سو جا

پڑی محو خواب راحت ہے خدائی دیکھ ساری
مگر اک تجھی پہ ظالم، ہے خدا کی مار سو جا

محروم

٦٣۔ دل کی بیکلی

بے کلی بیخودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں

درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے
اب دوا کی کچھ احتیاج نہیں

اس طرح دل گیا کہ اب تک ہم
بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں
انڈی آتی ہیں آج یوں آنکھیں
جیسے دریا کہیں ابلتے ہیں
تیرے بیخود جو ہیں سو کیا چیتیں
ایسے ڈوبے کہیں اچھلتے ہیں

دمِ آخر ہے بیٹھ جا مت جا
صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں

متصل روتے ہی رہیے تو بجھے آتشِ دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں
وقت خوش ان کا جو ہم بزم ہیں تیرے ہم تو
در و دیوار کو احوال سُنا جاتے ہیں
ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی تس پر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

میر صاحب بھی ترے کوچے میں شب آتے ہیں
جیسے دریوزہ گری کرنے گدا جاتے ہیں

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو
دیر سے انتظار ہے اپنا

روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات
اب یہی روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہو گئے مجبور
اس میں کیا اختیار ہے اپنا

آنسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آجاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا

کہتے تو ہو یوں کہتے کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

گر عشق نہیں ہے تو یہ کیا ہے بھلا مجھ کو
جی خود بخود اے ہمدم کاہے کو کھپا جاتا

میر

۶۴۔ دل کی بےکلی

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا
یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دونوں پہلوؤں میں دل بیقرار ہوتا

دم رخصت ان کا کہنا کہ یہ کاہے کا ہے رونا
تمہیں میری قسموں کا بھی نہیں اعتبار ہوتا

امیر

۶۵۔ رخصت

وہ رخصت جو اس طرح ہونے لگی
تو وہ صاحب خانہ رونے لگی

وہ رو رو کے دو ابر غم یوں ملے
کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے

یہاں تک بندھا انکے رونے کا تار
بہے پھوٹ دیوار و در ایک بار

نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار
کہا حق کو سونپا تجھے لے سدھار

چلی جس طرح پیٹھ اپنی دکھا
اسی طرح دکھلا ہمیں منہ پھر آ

کسی نے کہا بھولیو مت مجھے
خدا کے تئیں میں نے سونپا تجھے

کہا اس نے خیر اب تو جاتی ہوں میں
جو ملتا ہی تو اس کو لاتی ہوں میں

تمہیں بھی خدا کو میں سونپا سنا
مرا بخشیو تم کہا اور سنا

میر حسن

۶۶۔ رخصت

(شیریں آزاد ہو کر رخصت ہو رہی ہے)

گہوارے سے شیریں نے تب اکبر کو اٹھایا
آنکھوں سے بہت ننھے سے تلوؤں کو لگایا
پھر جھولے کے اندر یہ دعا دے کے لٹایا
اللہ نبی کا مرے شہزادے پہ سایا
دنیا کا تجھے سب حشم و جاہ ہو اکبر
اور سونے کے سہرے سے ترا بیاہ ہو اکبر

دبیر

۶۷۔ اضطرابِ رخصت

تھا یہی ذکر جو بجا گھڑیال
سنتے ہی اس کی ہو گئی بے حال
ہو گیا فرطِ غم سے چہرہ زرد
دست و پا تھرتھرا کے ہو گئے سرد
مردنی رخ پہ چھا گئی اس کے
دل میں وحشت سما گئی اس کے
دل میں گذرا جو اس کی صبح کا شک
ہوئی استادہ جا کے زیرِ فلک
ٹھنڈی جس دم چلی نسیمِ سحر
ہو گئی حال اور بھی ابتر
اتنے میں صبح کی بجی وردی
دونی چہرہ کی ہو گئی زردی
ہوئے ثابت جو صبح کے آثار
ہو گئی اس کی اور حالتِ زار

بید کی طرح جسم تھرایا — سر سے لے پاؤں تک عرق آیا
باتیں کرتی جو تھی سو بھول گئی — دم لگا چڑھنے سانس پھول گئی

بولی گھبرا کے رہیو اس کے گواہ
اور کہا لا الٰہ الا اللہ

عزرا شوق

۶۸۔ جُدائی

یاد آنے لگا وہ جانِ جہاں — گھڑیوں بڑھنے لگا مرا خفقان
سختیاں ہجر کی نظر آئیں — خالی گھر دیکھا آنکھیں بھر آئیں
دل جو غم سے اُداس ہونے لگا — اختلالِ حواس ہونے لگا
شمع ساں جل گیا کبھی خاموش — روتے روتے کبھی ہوا بیہوش
کبھی دیوانہ وار بکتا تھا — کبھی کچھ منہ سے کہہ نہ سکتا تھا
ہوئی فرقت سے میری یہ حالت — نہ وہ رنگت رہی نہ وہ صورت
راحت و عیش سب محال ہوا — دو ہی دن میں عجیب حال ہوا
ہو گئی دل کی ایسی حالت زار — جیسے برسوں کا ہو کوئی بیمار
نالہ رک رک کے لب پہ آنے لگا — ضعف سے جسم تھرتھرانے لگا
رنج فرقت سے غیر حال ہوا — لیٹنا کروٹ تلک محال ہوا

چین دن کو نہ رات کو آرام
یاد میں اس کی صبح سے تا شام

غم سے سینہ پہ مار بیٹھا ہاتھ
اشک بھر لانا بات بات کے ساتھ

دوست جو آتے تھے عیادت کو
روتے تھے دیکھ دیکھ صورت کو

مرزا شوق

۶۹۔ گل بکاؤلی

گلچیں نے وہ پھول جب اڑایا
اور غنچۂ صبح کھکھلایا

وہ سبزۂ باغ خواب آرام
یعنی وہ بکاؤلی خوش اندام

جاگی مرغ سحر کے غل سے
اٹھی نکہت سی فرش گل سے

منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی
پر آب وہ چشم حوض پائی

دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے

گھبرائی کہ ہیں! کدھر گیا گل
جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے
لو ہو کے تو گل اڑا نہیں ہے

اپنوں میں سے پھول لے گیا کون
بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون

شبنم کے سوا چرانے والا
اوپر کا تھا کون آنے والا

جس کف میں وہ گل داغ ہو جائے — جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا — پتلی وہی چشم حوض کا تھا

گلچیں کا جو ہائے ہاتھ لوٹا — غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا

او خار پڑا نہ تیرا چنگل — مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل

او باد صبا ہوا نہ بتلا — خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا

بلبل تو چہک اگر خبر ہے — گل تو ہی مہک نکھا کدھر ہے

لرزاں تھی زبس یہ دیکھ کہرام — تھی سبزہ سی راست مو براندام

جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا — جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا

رنگ اس کا غرض لگا بدلنے — گل برگ سے کف لگی وہ ملنے

گل کا سا لہو بھرا گریباں — سبزہ کا سا تار تار داماں

دکھلا گے کہا سمن پری کو — اب چین کہاں بکاؤلی کو

تھی بسکہ غبار سے بھری وہ — آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ

ہر باغ میں پھولتی پھری وہ — ہر شاخ میں جھولتی پھری وہ

جس تختہ میں مثل باد جاتی — اس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی

بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے
پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

نسیم

۷۔ یادِ یار

لگا تھا زبس عشق کا اس کو تیر — لگی کھینچنے آہ بدر منیر

بندھا اس کو عاشق کا اپنی خیال — لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال

کہیں کا کہیں لے اڑا اس کو راگ — ہوا سے ہوئی اور گلزار آگ

لگی کہنے ہی ہے میں دیکھوں یہ سیر — نہ ہو پاس میرے وہ یادش بخیر

وہی جانے ہو جس کی کچھ دل کو لاگ — کہ معشوق بن سب ہی گلزار آگ

جگر میں اگر آہ کی سول ہو — لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو

درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال — جسے یادِ شمشاد کی ہو کمال

کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر — جسے اپنے گل کی نہ ہووے خبر

یہ کہہ کر اٹھی واں سے وہ دل ربا — چھپر کھٹ میں جا کر گری منہ چھپا

خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا — ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا

سب اٹھتے ہی بس اس کے جاتی رہیں
طوائف کہیں اور خواصیں کہیں

میر حسن

۱۷۔ ماتمِ ہجر

کروں حال ہجراں زدوں کا رقم   کہ گزرا جدائی سے کیا ان پہ غم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں   تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہرو   نہ وہ گل ہے اس جا نہ وہ اس کی بو
رہے دیکھ یہ حال حیران کار   کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی   کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی   کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دل گیر ہو   گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیرِ زنخداں چھڑی   رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب   کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

کسی نے دیئے کھول سنبل سے بال
طمانچوں سے جو گل کیے سرخ گال

سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر   گرا خاک پہ کہہ کے ہائے پسر
کلیجہ پکڑ ماں تو بس رہ گئی   کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
ہوا گم وہ یوسف پڑی یہ جو دھوم   کیا خادمانِ محل نے ہجوم
کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا   عزیزِ جہاں سے وہ یوسف گیا

گئیں لے وہ شہ کو لبِ بام پر — دکھایا کہ سوتا تھا یاں سیمبر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا — کہا ہائے بیٹا تو یاں سے گیا
مرے نوجوانوں میں کدھر جاؤں پیر — نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
عجب بحرِ غم میں ڈبویا مجھے — غرض جان سے تو نے کھویا مجھے

کروں اس قیامت کا کیا میں بیان
ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں

میر حسن

۲۷۔ فراقِ یار

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی ان دنوں — تو بھی تو اس کو جا کے ستم گار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن — نے سیر باغ نے گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب — تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزر — لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائی تو بہرِ شغل — پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس
پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا

سودا

۷۳۔ دورغم

اسے شاہزادے کا تھا حال یاد
جو دیکھا تو یاں اس سی کچھ ہے زیاد

نہ گھر کی وہ رونق نہ اس کا وہ حال
گلوں سے لگا دل تلک پائمال

پڑے سارے بیداشت دیوار و در
محل کو جو دیکھا تو لوٹا سا گھر

خواصیں جو تھیں پاس وہ نازنیں
سو میلی کچیلی کہیں کی کہیں

نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی تو رنگ
اڑا رنگ چہرے کا مثل پتنگ

نہ آپس کی چہلیں نہ وہ چہچہے
نہ گانا بجانا نہ وہ قہقہے

غم آلودہ ہر ایک زار و نزار
نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار

جو بیٹھیں تو رونا جو اٹھیں تو غم
غرض بیٹھتے اٹھتے ان پر ستم

چمن سارے ویران سے ہیں پڑے
شجر گل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے

جو خود ہے تو حیران و بیمار سی
کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی

نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس
ضعیف و نحیف و پریشاں اداس

یہ دیکھ اس کا احوال نجم النسار
جلی شمع کی طرح آنسو بہا

میر حسن

سحرِ خستہ حالی و حسن

ولیکن یہ خوبو کا دیکھا سبھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہوا ان کا بناؤ

نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی
جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی

غرض لے دوائی ہی یاں کی ادا
بھلوں کو سبھی کچھ لگے ہی بھلا

جو ماتھے پہ چینِ جبیں غم سے ہے
تو وہ بھی ہی اک موج دریا مے

وہ آنکھیں جو روتی ہیں لیں پھوٹ پھوٹ
تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ

تپ غم سے یوں تمتماتے ہیں گال
کہ جوں رنگ لالہ ہو وقت زوال

گریبان سینہ پہ جو ہے کھلا
تو گویا وہ ہے صبح عشرت فضا

نقاہت سے چہرہ اگر زرد ہے
دیا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے

ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا
کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی ہوا

میر حسن

۵۷۔ شبِ فرقت

یہ شہزادہ جو اس طرح گم ہوا — تو سارے محل میں تلاطم ہوا
محل میں بپا ایسا ماتم رہا — کسی میں نہ باقی ذرا دم رہا
یہ نقشہ چمن کا بدل ہوا — کہ گلزار جو تھا وہ جنگل ہوا
وہ آتش کدہ سب چمن گل کا تھا — صدا سوز کی نالہ بلبل کا تھا
شجر جلنے تھے صورتِ غم تھی سب — جو تھے سرو وہ نخلِ ماتم تھی سب
صبا نے چمن میں اڑائی تھی خاک — دلِ لالہ تھا مثلِ گل چاک چاک
ہوا دن تو رونے میں اس کا بسر — قیامت مگر رات آئی نظر
نہ پہلو میں پایا جو اس یار کو — ہوا صدمہ اک جانِ بیمار کو
ذرا یاد بھولی نہ اس ماہ کی — جو کروٹ بھی لی دل سے اک آہ کی
نظر آگیا چاندنی میں جو باغ — ہوا تازہ اس غم میں اک دل پہ داغ
ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی جو چلنے لگی — یہ فرقت کی آتش سے جلنے لگی
سحر تک دل اس کا بھٹکتا رہا — کہ پہلو میں کانٹا کھٹکتا رہا
تصور جو تھا اس گل اندام کا — کوئی پہلو نکلا نہ آرام کا
تڑپتی تھی یہ رنج جاتا نہ تھا — کسی طرح آرام آتا نہ تھا
مصاحب جو تھی اس کی دخترِ وزیر — اسے دیکھ کر دردِ غم کی اسیر

یہ نقلیں بیاں کرتی تھی بر محل — مگر اس کی دل کو نہ پڑتی تھی کل
خدا کھوئے بنیاد اس چاہ کی — جدھر پھر گیا منہ ادھر آہ کی
کبھی ہو گئے دونوں رخسار زرد — کبھی ہو گئے دست و پا دونوں سرد
کبھی رنگ رخ کے بدلنے لگے — کبھی شعلے منہ سے نکلنے لگے
کبھی ضبط وہ چاہ کرنے لگی — کبھی چیخ کر آہ بھرنے لگی
نہ نیند آئی ہرگز سحر ہو گئی — یہ شب اس کے غم میں بسر ہو گئی
اُڑے آشیانوں سے اپنے پرند — ہوئی بانگ اللہ اکبر بلند
ہوا پھر تو یہ شاہزادی کا حال — کہ گھٹ کر ہو جوں ماہ کا ہلال
تلاطم میں پھر شب طبیعت رہی — نہ رنگت رہی وہ نہ صورت رہی
بہت آ گیا فرق اوقات میں — وہ کھسیانہ ہو جانا ہر بات میں
وہ گرمی سے رخ تمتمایا ہوا — وہ رونے سے منہ بھر بھرایا ہوا
وہ سوجے ہوئے پرنیادار گال — وہ آنکھوں میں ڈورے پڑے لال لال

غرض کیا بیاں ہو کہ جو حال تھا
جو دیکھے وہ روئے یہ احوال تھا

مرزا شوق

۷۶۔ فرقت کی رات

یہ شبِ فرقت بھی کیسی رات ہے ۔۔۔ ایک میں ہوں اور خدا کی ذات ہے
کس قدر تاریک ہے اندھیر ہے ۔۔۔ رات ہے یا پردۂ ظلمات ہے
ہول آتا ہے در و دیوار سے ۔۔۔ ہو نہ ہو یہ لشکرِ آفات ہے
چین اب آتا کسی کروٹ نہیں ۔۔۔ کس مصیبت میں بسر اوقات ہے
درد دل میں اور کلیجے میں جلن ۔۔۔ اور وحشت مجھ کو ساری رات ہے
آدھی دنیا سو رہی ہے چین سے ۔۔۔ میرا سینہ مرجعِ آفات ہے
ہائے بےچینی قلق اور اضطراب ۔۔۔ درد میٹھا میٹھا ساری رات ہے
آہ سینے میں مرے اک آگ ہے ۔۔۔ نارِ دوزخ جس کی آگے مات ہے
ہائے مایوسی و باقی ہے گلا ۔۔۔ دم نکل جائے تو اچھی بات ہے
میں تو گنتے گنتے گھڑیاں تھک گیا ۔۔۔ کیا قیامت سے بھی لمبی رات ہے
کوئی دیکھے تو گھڑی کیا وقت ہے ۔۔۔ کتنی گزری کتنی باقی رات ہے

ہائے کب اس رات کی ہوگی سحر
یہ عذابِ نزع ہے یا رات ہے

خان احمد حسین خانصاحب

۷۷۔ آزارِ ہجر

جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلکِ اظلم کہیں — جی ترستا ہے کہیں اور چشم ہے پُرنم کہیں
ہم پہ جو گزرا ہے وہ گزرا کسی پر کم نہیں — نے تسلی ہے نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے — رات دن سر کو ٹپکنا ہر در و دیوار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دلِ بیمار سے — ہے برا احوال اب تو ہجر کے آزار سے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

نے کسی سے مہر و الفت نے کسی سے پیار ہے — نے کوئی اپنا رفیق اور نے کوئی غمخوار ہے
دل ادھر سینے میں تڑپے جی ادھر بیمار ہے — کیا کہیں اب تو بہت مٹی ہماری خوار ہے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

گھر میں جی بہلے نہ باہر انجمن میں دل لگے — نے خوش آوے سیر نے سیرِ چمن میں دل لگے
نے پہاڑوں میں نہ صحرا میں نہ بن میں دل لگے — اب تو تم بن نے گلستاں نے چمن میں دل لگے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

پر نہیں اڑ کر تمہارے پاس جو آ جائیے — جی ہی جی میں کب تلک خون جگر کو کھائیے
چشم تر اور داغ سینے کے کسے دکھلائیے — دل سمجھتا ہی نہیں کیوں کر اسے سمجھائیے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

نظیر

۷۸۔ لذت فراق

وصل کی شب رواں ہے سوئے فراق — آ چلی لو ہوا اس بوئے فراق
اشک بھر لائے وہ بھی وقت سحر — جب چلی آہ گفتگوئے فراق
خرمی ہائے وصل یار کے بعد — اب دکھائے خدا نہ روئے فراق
خود ہیں وہ جان آرزوئے وصال — یاد ہے ان کی آبروئے فراق
بہر افزائش سرور وصال — شوق کو پھر ہے جستجوئے فراق

غلغل عہد عیش سے حسرت
بڑھ کے ہی شور ہائے ہوئے فراق

حسرت موہانی

۷۹۔ انتظارِ یار

بٹھا کر وہاں آیا ملکہ کے پاس — تو دیکھا کہ بیٹھی ہے وہ بدحواس
خوشی ہے نہ راحت نہ عیش و طرب — خواصیں بھی میلی کچیلی ہیں سب
کہیں ہے جو مسند تو تکیہ کہیں — کہیں فرش تک بھی بچھایا نہیں
دروں میں ہر اک جا ہیں جالے لگے — چھتوں میں ابابیل کے گھونسلے
نہ بلبل نہ قمری نہ وہ سرو و گل — ہے زاغ و زغن کا خیاباں میں غل
نہ وہ آبپاشی نہ ٹھنڈی زمیں — ہر اک بے قرینے کہیں کا کہیں

نظر جب کہ ملکہ کی اس پر پڑی
تو فرطِ خوشی سے ہوئی اٹھ کھڑی

مرزا شوق

۸۰۔ انتظارِ یار

آتشِ عشق جی جلاتی ہے — یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے
تو ہے اور سیرِ باغ ہے ہر وقت — داغ ہیں اور میری چھاتی ہے
شام بھی ہو چکی کہیں اب تو — آ شتابی کہ رات جاتی ہے

ٹک خبر لے کہ ہر گھڑی ہم کو — اب جدائی بہت ستاتی ہے
کچھ مناسب نہیں ہے کیا کہیے
جی میں جو کچھ کہ اپنے آتی ہے

درد

دن تمہارے تو گئے بارے خوشی سے ہر طرح
ہم بلا سے یاں پڑے راتوں کو گھبرایا کیے

چین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اس بغیر
رات دن ہر چند اپنے دل کو سمجھایا کیے

اپنے دروازہ تلک بھی وہ نہ آیا ایک بار
ہر گھڑی اٹھ اٹھ کے ہم جس کے لئے جایا کیے

تب ہماری اس کی اب تک یوں بنی تھی درمیاں
بات ایسی ویسی ہم خاطر میں کم لایا کیے

درد

۸۱۔ انتظار و اضطراب

(شیریں حضرت امام حسین علیہ السلام کے انتظار میں بے چین ہے)

شیریں کو عجب اُلفتِ سلطانِ اُمم تھی   ہر دم شہِ والا کی وہ مشتاقِ قدم تھی
آنکھ اس کی سوئے صورتِ بانوئے عجم تھی   پتلی صفتِ قبلہ نما سوئے حرم تھی
غش کرتی تھی اذکارِ امامِ دوجہاں پر
اس کی نہ خبر تھی کہ سر آئے گا سناں پر

ڈیوڑھی پہ سدا نور کے تڑکے اسے آنا   اور شام کو دروازے سے روتے ہوئے جانا
گہ صبح سے مولا کے لئے فرش بچھانا   اور شام کے نزدیک بصد یاس اُٹھانا
شہ کے لئے تیار کبھی کرتی غذا کو
مولا جو نہ آتے تو کھلا دیتی گدا کو

تقدیر وہاں دربدر آقا کو پھراتی   شیریں یہاں در پر کبھی آتی کبھی جاتی
گھبرا کے کبھی کوہ کے نیچے اُتر آتی   رہ گیروں کو جا جا کے سرِ راہ سُناتی
دنیا میں میں ہوں اور نہیں دنیا کی خبر ہے
لوگو تمہیں کچھ دلبرِ زہرا کی خبر ہے

پائی جو نہ اس نے خبرِ سبطِ پیمبر   ذی الحج سے ہوئی تارکِ لذات و مضطر
کچھ پی لیا کچھ کھا لیا جو آیا میسر   سونے کے لئے فرش و زمیں دونوں برابر

اندیشیوں نے یہ حال کو تبدیل کیا تھا
پوشاک بدلنا بھی غرض چھوڑ دیا تھا

ہمسائیاں کہتی تھیں بنایا ہی یہ کیا حال
پوشاک جو میلی ہے تو الجھے ہوئے ہیں بال
وہ کہتی تھی نیرنگ نظر آتا ہے امسال
دریافت مجھی کو نہیں ہو تا مرا احوال
پوشاک کی کچھ مجھ کو خبر ہے نہ ردا کی
اللہ بس اب خیر کرے آلِ عبا کی

دبیر

۸۲۔ یاروں کا گلا

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار
کہیو ہم صحرا نوردوں کا تمامی حالِ زار
ربط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم
جانتے ہیں ذات سامی ہی کو ہم سب خاکسار
سو نہ خط ان کا نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھ تلک
واہ واہ ہے رابطہ رحمت ہے یہ اخلاص و پیار
لکھتے گر دو حرف لطف آمیز بعد از چند روز
تو بھی ہوتا اس دلِ بیتاب و طاقت کو قرار

خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے
آئیں گے گھر بار کی تیرے خبر کو بار بار

جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کاہے کا پاس
آفریں صد آفریں اے مردمانِ روزگار

میرؔ

۸۳۔ شکوۂ الفت

جو تو ہی صنم ہم سے بیزار ہو گا — تو جینا ہمیں اپنا دشوار ہو گا

غمِ ہجر رکھے گا بیتاب دل کو — ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہو گا

اُچٹتی ملاقات کب تک رہیگی — کبھو تو تہِ دل سے بھی یار ہو گا

تجھے دیکھ کر لگ گیا دل، نجانا — کہ اس سنگدل سے ہمیں پیار ہو گا

یہی ہو گا کیا ہو گا میرؔ ہی نہ ہونگے
جو تو ہو گا بے یار و غمخوار ہو گا

میرؔ

۸۴۔ پیام یار

یہی پیغام دردؔ کا کہنا
گر صبا کوئے یار میں گزرے

کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گزرے

دردؔ

۸۵۔ مہمان داری کا سامان

(شیریں حضرت امام حسین علیہ السّلام کی آمد کی خبر پا کر خوشی خوشی مہمان داری کا سامان کرتی ہے)

یہ کہہ کے اس نے فرش کیا گھر میں سر بسر
مومن کے دل کی طرح مصفّا ہوا وہ گھر

مسند بچھائی بہرِ شہنشاہِ بحر و بر
یہ گھر ہے شاہ دیں کے برادر کے واسطے

کہتی تھی میرے گھر میں ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امامِ زمن کا ظہور ہے

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبر کے واسطے

جھولے کی جا یہ ہے علی اصغر کے واسطے
یہ گھر ہے شاہ دیں کے برادر کے واسطے

راحت سے شہ نشیں پہ امامِ زمن رہیں
حجرہ یہ اس لئے ہے کہ دولہا دلہن رہیں

کرسی کو لا کے جلد کسی جا بچھاتی تھی — تخفوں کو کشتیوں میں کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے میں بہر شکر کبھی سر جھکاتی تھی — گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی میں آتی تھی
چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بے قرار تھا
فرزند فاطمہ کا اسے انتظار تھا

ہمسائیوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار — اب کیجیو زیارتِ سلطان نامدار
ہے باغ فاطمہ پہ عجب حسن کی بہار — رشک ریاض خلد ہی اک ایک گلعذار
سب تو نہالِ گلشن دیں لاجواب ہیں
قد سرو باغ حسن ہیں رخ آفتاب ہیں

شمشاد بوستانِ پیمبر کو دیکھیو — سرو ریاض حضرت شبر کو دیکھیو
کیا نوجواں ہیں شہ کے برادر کو دیکھیو — سب ایک سمت تم علی اکبر کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حسن ملک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اس جری میں محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اسے صد و بیس سال برقرار — نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بہنیں فدا ہیں باپ تصدق ہی ماں نثار — سر پر پھوپی نے پیار سے گیسو رکھے ہیں چار
چہرے کے آگے نیر تاباں بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیری کا چاند ہے

اب خیرت سے گزرے گا اٹھارواں جو سال — شادی کریں گی بیٹے کی بانوئے خوشخصال

زینب کو اس کے بیاہ کا ارماں ہی کمال — ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
آتی ہیں نسبتیں حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہووے گی دھوم سے

جب ڈھل گئی اسے انھیں باتوں میں دوپہر — شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اب تک نہ آئے گھر میں شہنشاہ بحر و بر — اترے کہاں کسی سے مفصل سنی خبر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو

کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم — لونڈی کو سرفراز کرو یا شہِ امم
کرتے ہیں اغنیا غربا پر سدا کرم — اب بے حضور چین نہیں مجھ کو ایک دم
کچھ آج ہے طپش سی دل بے قرار میں
آنکھیں سپید ہو گئی ہیں انتظار میں

قربان ہو گئی مرا گھر کچھ نہیں ہے دور — خاصہ تناول آن کے اس جا کریں حضور
ہم لوگ مشت خاک ہیں حضرت خدا کی نور — ہو گا یہ کوہ آپ کے آنے سے رشکِ طور
کہنا حضور راہِ ہدایت کی شمع ہیں
پروانے یاں سحر سے زیارت کو جمع ہیں

عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے میں کچھ اگر — آنے میں کیوں حرم کے ہوئی دیر اس قدر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہی یا شاہ بحر و بر — گڑوا رکھی ہیں میں نے قناتیں ادھر ادھر

محمل میں گھٹتی ہوئیں گی زہرا کی پیاریاں
عباس لے کے آئیں زنانی سواریاں

انیس

۸۶۔ ملاپ

ولیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم کیا مثل پروانہ اس پر ہجوم
سنی ایک سے ایک نے یہ خبر مبارک سلامت ہوئی یک دگر
کوئی غنچہ کی طرح کھلنے لگی کوئی دوڑ کر اس سے ملنے لگی
ٹکے کوئی صدقہ کو لانے لگی کوئی سہرے روٹی چھوانے لگی
کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی ادھر سے کوئی اور ادھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی
ہوا سر پہ اس کے زبس اژدھام لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام
کہا بیبو کل کہوں گی میں حال
کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال

میر حسن

۸۷۔ وصلِ یار

دل ہے غرقِ شادمانی جان سیرابِ نشاط
وصل کی شب میں بہم ہیں جملہ اسبابِ نشاط

ہے جہانِ آرزو میں آج گویا روزِ عید
چل رہی ہے محفلِ دل میں مئے نابِ نشاط

حسرتیں وقفِ طرب ہیں آرزو محوِ سرور
بخت نے کھولا ہی ہے شوق پر بابِ نشاط

ہیں فراہم اہلِ ذوق آمادہ ہی بزمِ طرب
اہتمامِ نغمہ سنجی میں ہیں اربابِ نشاط

ہو گئی جوشِ تمنّا سے مبدل بے خودی
سازِ حیرت پر لگی جس وقت مضرابِ نشاط

کامیابِ عیش بیحد ہے دلِ عشرت نصیب
آرزو کے سر سے گزرا جائے ہے آبِ نشاط

ہے غرض ہر سمت اک ہنگامۂ شادی بپا
کچھ نہیں چلتی ملامت گر کی دربارِ نشاط

چل سکے گا اب نہ قابو دل پہ رعبِ حسن کا
یار مجبورِ حیا ہے میں ہوں بیتابِ نشاط

ساز و سامانِ خرد سرمایۂ ہوش و حواس
آج لیجائے بہا کر سب کو سیلابِ نشاط

رشک سے بیتاب ہے نیرنگیِ دورِ فلک
ہوشیار اے بیخبر اے غافلِ خوابِ نشاط

ہے اسی کا نام حرمانِ اتم اے وصلِ یار
خاطرِ محروم حسرتؔ کو نہیں تابِ نشاط

حسرتؔ

۸۸۔ تولدِ پسر

سب ناری آئیں گونے کی، اور پاس پڑوسن آ بیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں، کچھ گیت جچا کے گاتی تھیں
کچھ ہر دم سکھ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں
کچھ تھال پنجیری کے رکھتیں کچھ سونٹھ سٹورا کرتی تھیں

کچھ کہتی تھیں "ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو"
کچھ کہتیں "ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو"
کوئی گھٹی بٹھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور بھوسی
کوئی لائی ہنسلی اور کڑوے کوئی کرتا ٹوپی میوہ گھی

کوئی دیکھے روپ اس بالک کا کوئی ماتھا چومے بھربھری
کوئی بھنووں کی تعریف کرے کوئی انکھوں کی کوئی پلکوں کی
کوئی کہتی "عمر بڑی ہووے اے بیر تمہارے بالے کی"
کوئی کہتی "بیاہ بھولاؤ" اس آس مرادوں والے کی"

نظیر اکبر آبادی

۸۹۔ راحتِ پسر

نعمت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گلِ تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی روح یہی روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
وہ گل ہے کہ گھر رشکِ گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
آبادیِ کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہی عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہی نگیں نام ونشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پرنور مکاں رہتا ہے جس سے
وہ دُر ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

دنیا میں بس اک مرجعِ آمال یہی ہے
ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے
گوہر یہی یاقوت یہی لال یہی ہے

دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے
ماں باپ کی آسائش و راحت ہی پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہی پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہی پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر قوتِ دل راحتِ جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے
وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ لعل ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے
وہ دُر ہے یہ دُرجان لڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہے جدھر راحت جاں ساتھ ہے اس کے

مالک سے بچھڑے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کی بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا
بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

انیس

۹۰۔ ماں کی ممتا

ممتا ماں کی جانتے ہیں سب — ماں ہی بچے کی پرورش کا سبب
بھوک بچے کو ہے ستاتی جب — ماں سے کرتا ہے رو کے دودھ طلب
دودھ دیتی ہی پیار کرتی ہے — جان اس پر نثار کرتی ہے

بچہ سینے سے جو رہا ہے چمٹ — نہیں لے سکتی بے دھڑک کروٹ
پاؤں کی بھی نہ ہو ذرا آہٹ — کبھی ننھے کی جائے نیند اچٹ
اول اول کرتی تھپکتی جاتی ہے — ہولے ہولے سرکتی جاتی ہے

جب گیا وہ ننھا بچہ پرسو — چھوڑے تکیے لگا دیئے دو دو
کیے سب کام تھے ضروری جو — پر نہیں بھولتی ہے بچے کو
لیتی رہتی ہے ماں خبر ہر دم — اپنے بچے پہ ہے نظر ہر دم

ماں کو آرام کی کہاں فرصت — سو گئی بے ڈھب تو آ گئی شامت
کپڑے لتوں کی ہو گئی کیا گت — ہے بچھونا بھی تربتر لت پت
صبح اٹھ کر کھنگالتی ہے تمام — جاڑے پالے کا وقت اور یہ کام

بچہ اتنے میں چونک اٹھا سو کے — ناک میں دم کیا ہے رو رو کے
ماں نے پھر لے لیا ہے خوش ہو کے — نیا کرتہ بدل کے منہ دھو کے
دیکھ کر اس کا چاند سا مکھڑا — بھول جاتی ہی اپنا سب دکھڑا

باتیں کرتی ہے پیار سے جوں جوں   بولتا ہے جواب میں آغوں
رات کو لوریاں سناتی ہے   گود میں لے کے بیٹھ جاتی ہے
کس قدر زحمتیں اٹھاتی ہے   بچّہ ہے اور ماں کی چھاتی ہے
جب لگایا ہے آنکھ میں کاجل   پڑا بچّہ کی تیوری میں بل
دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ڈالیں مل   بچہ بے چین ہے تو ماں بے کل
کبھی کنڈی بجا کے بہلایا   کبھی کندھے لگا کے بہلایا
چپ کیا جھنجھنا بجا کے اسے   سوئی خود پیشتر سُلا کے اسے
اس کا ہپّہ خُدا پکاتی ہے   اُنگلیوں سے اسے چٹاتی ہے
باتیں کرنا اسے بتاتی ہے   پاؤں چلنا اسے سکھاتی ہے
ہر طرح پر سنبھالتی ہی اسے   اللہ آمین سے پالتی ہے اسے

ماں کو بچے سے جو محبت ہے
درحقیقت خدا کی رحمت ہے

اسمٰعیل

---

۵ کھچڑی

۹۱۔ ماں کا پیار

کیسا لیٹا ہے یہ خوش و خرم
نہ کوئی فکر ہے نہ کوئی غم
نہ تو روتا نہ بلبلاتا ہے
گود میں کیا ہمک کے آتا ہے
مسکراتا ہی کیا ہی خوش ہو کر
جیسے چڑیا مگن ہو ڈالی پر
جب کہ سونے کا وقت ہے آتا
مرے سینے سے ہے چمٹ جاتا
جب کہ آنکھوں میں نیند آتی ہی
بستر اس کا میری چھاتی ہی
نیند لے کر ہنسی خوشی سے اٹھا
پھول گویا کھلا چنبیلی کا
لگ گئی بھوک کہہ نہیں سکتی
پیاری نظروں سے ہے مجھے تکتا
پیار کا بھی مرے یہی ہے سبب
نہیں آتا بیان میں مطلب

اسمٰعیل

۹۲۔ طفل شیر خورے

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چھوڑے
ہر آن آنچلوں کے معمور تھے کٹورے
پاؤں میں کالے ٹیکے ہاتھوں میں نیلی ڈورے
یا چاند سی ہو صورت یا سانولے و گورے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خوارے

گل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے ہیں
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے ہیں
ماں باپ ان کی خدمت سر پر قبولتے ہیں
ہاتھوں میں کھیلتے ہیں جھولوں میں جھولتے ہیں

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خوارے

جو دیکھے ان کی صورت لے پیار سے کھلائے
ہاتھوں اوپر اُچھالے اور چھیڑ کر ہنسائے
چومے کبھی دہن کو چھاتی کبھی لگائے
کوئی چھینی منہ میں دیدی کوئی جھنجھنا بجائے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خوارے

چھوٹا سا کوئی کرتا ان کا نکالتا ہے
یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پر سنبھالتا ہے
ماں دودھ ہے پلاتی اور باپ پالتا ہے
نانا گلے لگاوے دادا اُچھالتا ہے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خوارے

نظیر اکبر آبادی

۹۳۔ معصوم بھولے بھالے

کیا دن تھے یار وہ بھی تھے جب کہ بھولے بھالے
نکلے تھی دائی لے کر پھرتے کبھی دو والے
چوٹی کوئی رکھالے بدھی کوئی پنہالے
ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھالے

موٹے ہوں یا کہ دبلے گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے
کچھ کھا لے اس طرح سے کچھ اس طرح سے کھا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

مر جائے کوئی تو بھی کچھ ان کا غم نہ کرنا
نے جانیں کچھ بگڑنا نے جانیں کچھ سنورنا
ان کی بلا سے گھر میں ہو قند یا شکر نا
جس بات پر یہ مچلے بس وہ ہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو ان کو دو سو کھا لیں پھیکا ہو یا سلونا
ہیں بادشہ سے بڑھ کر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی ان کو سونا
پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہیے بچھونا
بھونپو کوئی بجا لے پھرکی کوئی پھرا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے
یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشہ ہے
اور سچ اگر جو پوچھو تو بادشہ بھی کیا ہے
اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھی کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

نظیر اکبر آبادی

۹۴۔ مسرتِ طفلی

پنگوڑے میں تھا ایک نادان بچا پڑا چوستا تھا وہ اپنا انگوٹھا
نہ دیکھا تھا منہ اس نے رنج و الم کا میں سمجھا یہی ہے مسرت کا پتلا

میسر ہے اس کو خوشی دو جہاں کی
نہ ڈر باپ کا ہے نہ دہشت ہے ماں کی

نہ کچھ رطب و یابس کی اس کو خبر ہے ہوائے زمانہ یہاں بے اثر ہے
نہ کچھ دل میں نیکی بدی کا گزر ہے نہ کچھ دوستی دشمنی پر نظر ہے

نہ شادی ہے پوری نہ ماتم ہے پورا
ابھی مسکرایا ابھی منہ بسورا

نہ خواہش ہے کوئی نہ تدبیر کوئی نہ کچھ معذرت ہے نہ تقصیر کوئی
نہ کچھ جرم ہے اور نہ تعزیر کوئی کوئی خواب ہے اور نہ تعبیر کوئی

نہ اپنا پرایا نہ میرا تیرا
میں سمجھا یہی ہے مسرت کا ڈیرا

مگر دو قدم آگے چل کر جو دیکھا تو آیا نظر دوسرا ایک لڑکا
گلی میں وہی کودتا پھر رہا تھا مگر کھیل میں تھا وہ مشغول ایسا

کہ تھا بے خبر شام ہے یا سحر ہے
بلا جانے اس کی کہ دنیا کدھر ہے

محبت سے جس وقت ماں نے بلایا | تو مرشد نے باتوں میں اس کو اڑایا
فغاں وہ ہوئی ناز اس نے دکھایا | مچل کر کہا تم چلو میں بھی آیا

ادھر سے ہوئیں دھمکیاں میٹھی میٹھی
ادھر سے ہوئیں شوخیاں میٹھی میٹھی

نہ کچھ بھوک ہی اور نہ کچھ پیاس اس کو | نہ امید ہے اور نہ کچھ یاس اس کو
نہ کچھ ماں سے وعدہ کا ہی پاس اس کو | نہ کچھ وقت کا بھی ہی وسواس اس کو

یہاں تک کہ سب غم غلط کھیل ہی ہی
میں سمجھا مسرت فقط کھیل ہی ہی

بیتاب

۹۵۔ بچہ اور ہلال

رنگیں ادا ہیں دونوں رنگیں جمال دونوں | نور بصر ہیں دونوں اور نونہال دونوں
بچے ابھی اگرچہ ہیں خورد سال دونوں | بڑھ کر کریں گے اک دن کسب کمال دونوں

آمل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

چھوٹی سی کیا ہی دلکش ہی یہ کمان تیری | مجھ کو پسند دل سے ہی آن بان تیری

پر یہ نہیں رہے گی بچپن کی شان تیری — دو چار دن کی طفلی ہے میہمان تیری

آمل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

تو بڑھ کے بدر ہوگا جس طرح آسماں پر — ڈالے گا اپنی کرنیں اس تیرہ خاکداں پر

میرا شباب یوں ہی آئیگا عنفواں پر — شفقت کا نور میں بھی برساؤں گا جہاں پر

آمل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

ننھے سے او کھلاڑی او آسماں کے ساکن — آکھیل لیں کہ دونوں بچے ابھی ہیں کمسن

دو چار دن کے مہماں ہیں کھیل کود کے دن — پیری میں ولولے ہیں طفلی کے غیر ممکن

آمل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

کشتی اتار لا ہاں چھوٹی سی آسماں سے — ایسا کہاں کا اونچا ہے تو مرے مکاں سے

ہوں تیر چھوڑنے کو مضطر تری کماں سے — تیرے لئے تڑپتا ہوں بس غم نہاں سے

آمل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

یارب نہ چشم بد سے پہنچے گزند تجھ کو — ہو شام کی سیاہی دود سپند تجھ کو

گردوں کرے بڑھا کر بالا بلند تجھ کو — ہاں کون سے کھلونے ہیں دل پسند تجھ کو

آمل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

سرور

۹۶۔ ہندوستان کی ایک حسین لڑکی اور اس کی ہنسی

دل کو لبھا رہا ہے انداز اس ہنسی کا — پیش نظر ہے نقشہ کھلتی ہوئی کلی کا
یہ دانت صاف اس کے یہ ہونٹ لال اس کی — دو نیم رنگ گل ہیں چہرے پہ گال اس کے
قدرت نے ان لبوں کو کیا لال کر دیا ہے — دو حرف لکھ کے گویا شنجرف بھر دیا ہے
اپنی ہنسی کی شاید اس کو خبر نہیں ہے — کیا پھول کھل رہے ہیں اس پر نظر نہیں ہے
گالوں میں پڑ گئی ہے کچھ کچھ شکن ہنسی سے — چمکا ہے حسن فطرت اس حسن عارضی سے
چشمے میں منہ کو دھونا اور بار بار ہنسنا — کیا لطف دے رہا ہے بے اختیار ہنسنا
پانی میں دیکھتی ہے رخ اپنا پیارا پیارا — خوش کر رہا ہے شاید اس کو یہی نظارہ
جنبش میں عکس رخ کو ہنس ہنس کے دیکھتی ہے — لہروں سے کھیلنے کا شاید سبب یہی ہے
مچھلی پکڑ رہی ہے چلو میں دل لگی سے — ملتی نہیں وہ اس کو ہنستی ہے یہ اسی سے
آئینہ ہے نہ اس دم پاس اس کے آرسی ہے — دانتوں کو مانجھ کر یہ پانی میں دیکھتی ہے
پانی میں صورت اپنی اس نے جو دیکھ پائی — سمجھی کہ اور کوئی اس کے مقابل آئی
واقف نہیں کہ ہے یہ اپنا ہی عکس پیدا — یہ راز ہو نہ یارب اس پر کبھی ہویدا
سمجھے گی عکس اپنا تو جھینپ جائیگی یہ — ہنس ہنس کے بھولے پن سے کیوں منہ چڑائیگی یہ
کانوں میں سنبر بندی کیا لطف دے رہی ہیں — ہل ہل کے خوب لبوں سے گالوں کی لے رہی ہیں

ہلنے سے ان کے شاید کچھ لطف آ رہا ہو — بُندوں کا گدگدانا اس کو ہنسا رہا ہو
چھوٹی سی شاخ گل کو گملے میں رکھ لیا ہی — کانٹے نے چُبھ کے شاید اس کو ہنسا دیا ہی
پیڑوں کو دیکھ کر یہ ہنستی ہے کس ادا سے — خوش کر رہی ہیں چڑیاں آواز نغمہ زا سے
پانی میں گر پڑی یہ پھر بھی ہنسی نہ چھوڑی — اٹھتے ہی پھول اٹھایا اوڑھنی نچوڑی
نازک ہیں ہاتھ اس کے پانی نچوڑ سکے کیا — کاش اوڑھنی یہ دیتی اور میں نچوڑ دیتا
جھنکا رہی ہی دیکھو ہنس ہنس کی بال اپنے — آنچل سے پونچھتی ہے ہر بار گال اپنے
کیا کھلکھلا رہی ہے اس کی ہنسی تو دیکھو — رخ پر لٹیں پڑی ہیں وارستگی تو دیکھو
ظاہر ہی بھولے پن سے قدرت کی کارسازی — خوبی کو ناز اس پر خود اس کو بے نیازی
چھیڑوں میں اس کو لیکن جھینپے تو منہ چڑائے — چل دے تو لطف میرا حسرت کا داغ کھائے
غم سے کبھی نہ یارب اس کی ہنسی ہو زائل — رکھے لڑکپن اس کا اس کو ہنسی پہ مائل

کیا چیز ہے لڑکپن پروا نہیں کسی کی
اے شوقؔ عمر طفلی ہے جان زندگی کی

شوقؔ قدوائی

۹۷۔ سحرِ موسیقی

یہ چھاؤں تاروں کی کم کم یہ نور کا تڑکا
گلوں پہ شبنم ترکے یہ گوہرِ شہوار

یہ جوشِ لالۂ صحرا یہ سبزۂ کہسار
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا یہ نسیمِ عنبر بار

یہ شاخ شاخ پہ اندازِ زمزمہ خوانی
یہ طائرانِ ترنم سرائے فصلِ بہار

فضائے عرش میں نغمہ طرازِ قدرت
ہوا کے پردوں میں بانگِ ہزار رُو بقار

یہ دلفریبیٔ دریا کا دل ربا منظر
دمِ خرام یہ موجوں کی شوخیِ رفتار

رواں ہے ہلکی سی اک سطحِ آب پر کشتی
اور اس میں ایک حسینہ بجا رہی ہے ستار

جبیں ہے چاند سی زلفِ سیاہ بھونرا سی
کنول سی پائے نگار ہیں ہیں پھول سی رخسار

لباسِ حسن ہے تصویرِ پاک دامانی
ہی ساری ہلکی سی ریشم کی ایک نیب کار

غرض کہ حسن کی ہی سر سے پاؤں تک صورت
نظر فریب ادا۔ دلفریب نقش و نگار

سہیلی سامنے بیٹھی ہے اک سمن اندام
کہ جس کے باغِ جوانی میں ہی شروعِ بہار

عجیب دھن سے ہی چھیڑا ترانہ شیریں
کہ جھومتے لبِ ساحل ہیں وجد میں اشجار

فسونِ نغمہ میں دلکش سکوں کچھ ایسا ہے
ٹھہر ٹھہر کے ہے چلتی صبا دمِ رفتار

گدازِ شوق کا عالم ہے قلبِ دریا میں
ہر ایک موج میں ہی اضطرابِ نبضِ شرار

قریب ہو کے گزرتی ہے جوشِ مستی میں — عجیب لغزشِ مستانہ سے نسیمِ بہار
نہیں ہے اب لبِ قمری پہ نالۂ کوکو — شرابِ ذوقِ ترنم سے ایسی ہے سرشار
صدائے نغمہ نے افسوں کچھ ایسا پھونکا ہے — کہ ہے سکوت میں مرغانِ شکریں منقار

غرض کہ طرفہ ہے جادوئے فسونِ موسیقی
بشر تو کیا کہ بہائم کو کرتا ہے یہ شکار

شاکر

۹۸۔ جوگن کی بین

جہاں بیٹھ کر وہ بجاتی تھی بین — تو سننے کو آتے تھے آہوئے چین
بجاتی وہ جوگن جہاں جو گیا — وہاں بیٹھتی خلق دھونی لگا
اسے سُن کے آتا تھا صحرا کو جوش — صدائے درختوں کو آتا خروش
گلِ نغمہ اس سے جو گرتے ہزار — تو لیتا انھیں دشت دامن پسار
کہیں حلقہ حلقہ کہیں لخت لخت — کھڑے ہو کے گرد اس کے سنتے درخت
بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بن کی بین — خس و خار سنتے تھے بن بن کے بین
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی — ہر اک عالمِ شوق میں تھی کھڑی
تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی — دد و دشت غش ہو پڑے تھے سبھی
نہ پانی ہی سن شور اس کا چلے — کنوئیں کے بھی دل میں اٹھی ولولے

نہ چشمے ہی کچھ آبدیدہ رہے | گریبان کر چاک دریا بہے
ہوا بلبل و گل کا یاں تک ہجوم | کہ گرتی تھیں واں ڈالیاں جھوم جھوم
تحیر کا تھا واں ہر اک کو مقام | زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام
یہ ہر جا پہ تھا اس کے دم سے طلسم | بندھا تھا اسی دم قدم سے طلسم

شب و روز سرگشتہ مثل صبا
اسی طرح پھرتی تھی وہ جابجا

قضا را سہانا سا اک دشت تھا | کہ یک شب ہوا اس کا واں بسترا
وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ | ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشک مہ
بچھی ہر طرف چادر نور تھی | یہی چاندنی اس کو منظور تھی
بچھا مرگ چھالے لو اور لیکے بین | دو زانوں سنبھل کر وہ زہرہ جبیں
کدارا بجانے لگی شوق میں | لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اس کے ہاتھ | کہ بینہ نے کیا دائرہ لے کے ساتھ
بندھا اس جگہ اس طرح کا سماں | صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سنسان جنگل وہ نور قمر | وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت | اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے | خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سایہ سے بینہ کا ظہور | گری جیسے چھلنی میں چھن چھن کے نور

گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل · گئے سایہ و نور آپس میں مل
ہوا بند ھ گئی اس گھڑی اس اصول · پھر اگئے جا نور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے باد صبا · لگی وجد میں بولنے واہ وا

کہ اے کا عالم یہ تھا اس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی

میر حسن

۹۹. بانسری کی کوک

لعلِ معجز نما سے بنسی · اے لو وہ شام سے لگا دی
پیدا ہوا اک نفس سے اعجاز · اب اس سے زیادہ کون ساز
ہر اک ترانہ دل ربا ہے · جنگل نغموں سے گونج اٹھا ہے
عالم طاری ہے بیخودی کا · نغمہ ساری ہے بانسری کا
طائر اشجار پر ہیں خاموش · محو لذات جنتِ گوش
مرغ تصویر ہر پرندہ · پابا نہ بجیز ہر چرندہ
سکتے میں کھڑے ہوئے ہیں آہو · گویا کوئی کر گیا ہے جادو
دم ناچنے کو ہوئے جنوں رہے · پر اپنے سے ہو رہے بے خبر ہے
اک جذبۂ بیخودی میں آ کے · لہراتے ہیں سانپ پھن اٹھا کے

جنگل کی ہر ایک بھینس گائے — سکتہ میں ہے اپنا اٹھائے

جب وحشیوں کا ہوا ہی یہ طور

حالت انساں کی کیوں نہ ہو اور

گاؤں سارا گوالیوں کا — ہے محو سکوت کچھ ایسا

گویا آبادی نہیں ہے — خالی انساں سے زمین ہے

بیکار ہیں جو ابھی تھے مشغول — کس شغل میں تھے گئے یہ سب بھول

کھیتوں میں جو ہل چلا رہے تھے — اور ساتھ ہی گنگنا رہے تھے

چپ چاپ وہ اب کھڑے ہوئے ہیں — گویا کہ وہیں گڑے ہوئے ہیں

بچے گلیوں میں گھر کے اندر — ہیں ناچتے بانسری کی لے پر

سب عورتیں مائیں بیویاں سب — خاموش ہیں بیٹھیں جہاں جہاں سب

ڈالا ہے وہ زیر و بم نے پھندا — چھوڑے بیٹھی ہیں گھر کا دھندا

جو بن جن پر شباب کا ہے — یہ نغمہ انھیں تو فتنہ زا ہے

دل کو ہے یہ بے قرار کرتا — آنکھوں کو ہے اشکبار کرتا

تھامے ہوئے ہیں جگر کو دل کو — سنتی ہیں نوائے متصل کو

جو واقفِ رازِ معرفت ہیں — شنوندۂ سازِ معرفت ہیں

یہ نئی انھیں بھی ہے رلاتی

پیغام ہے دوست کا سناتی

محروم

محفل رقص و سرود

۱۰۰

ہوا حکم گوری کو جو برملا
لئے ساز اپنے سبھوں نے اٹھا

دیا آسماں پر جو طبلوں کو کھینچ
ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا اینچ

لگی گانے ٹھپے وہ اس آن سے
نکلنے لگی جان ہر تان سے

عجب تان پڑتی تھی انداز سے
کہ بے کل تھی ہر تان آواز سے

غرض کیا کہوں اس کا میں ماجرا
عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا

وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں
وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں

گھڑی چار دن باقی اس وقت تھا
سہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ
وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ

گلابی سا ہو جانا دیوار و در
درختوں سے آنا شفق کا نظر

وہ سرو سہی اور آب رواں
وہ مستی سے پانی کا بہنا وہاں

وہ اڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا
کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ

وہ رقص بتاں اور ستھرا الاپ
وہ گوری کی تانیں وہ طبلوں کی تھاپ

وہ دل چھیننا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ
اچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ

نہ انساں ہی کا ہو دل اس میں بند
ہوئے محو سن کر چرند اور پرند

غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے
اڑے جس جگہ کو اڑے رہ گئے

جو پیچھے تھے آ گئے نہ وہ چل سکے
جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے

لگی دیکھنے آنکھ نرگس اٹھا
گلوں نے دیئے کان ادھر لگا

لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت
کھڑے رہ گئے سرد ہو کر درخت

درختوں سے گرنے لگے جانور
بنے شکل آئینہ دیوار و در

بندھا اس طرح کا جو اس جا سماں
ہوا سب کے دل کا عجب حال واں

عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر
کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر

میر حسن

ادب عالیہ

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گی تو باعث مشکوری ہوگا. امید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہوجائیں گے

۱۔ آتش خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت وطن لکھنؤ وفات ۱۳۶۳ھ مدفن لکھنؤ

(۱۳) بے ثباتی دنیا

۲۔ اسمٰعیل مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات سنہ ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

(۱۶) میدان جنگ

(۹۰) ماں کی ماتا

(۹۱) ماں کا پیار

۳۔ اکبر (الہ آبادی) سید اکبر حسین صاحب

ولادت سنہ ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد

(۱۳) بے ثباتی دنیا

(۱۸) عبرت

(۲۱) موت

(۵۳) ولولۂ عشق

۴۔ اکبر (میرٹھی)

ولادت وطن میرٹھ

(۳۳) یتیم کا پیام ماں کے نام

۵۔ امجد۔ سید امجد حسین صاحب

ولادت　　　　وطن حیدر آباد

(۳۷) مزار

۶۔ امیر　　منشی امیر احمد مینائی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۴۴ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۳۱۹ھ مدفن حیدر آباد

(۱۳) بے ثباتی دنیا .. ..

(۵۱) اختلاط .. ..

(۶۴) دل کی بے کلی .. ..

۷۔ انشا　　انشاء اللہ خاں صاحب مرحوم

ولادت　　وطن دلی وفات ۱۲۳۳ھ مدفن لکھنؤ

(۶) رواروی .. ..

۸۔ انیس　　میر ببر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ وطن دلی وفات ۱۲۹۲ھ مدفن لکھنؤ

(۹) منزل دنیا ....

(۱۳) بے ثباتی دنیا .. ..

(۲۳) مرگ پسر .. ..

(۸۵) مہمان داری کا سامان .. ..

(۸۹) رحلت پسر .. ..

۹. اوج — محمد یعقوب صاحب گیاوی

ولادت ۱۸۸۳ء وطن

(۴۴) گورِ غریباں .. ..

۱۰. بیتاب

(۹۴) مسرت طفلی

۱۱. حالی — خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

(۱) نشاطِ امید .. ..

(۵۵) کارنامۂ عشق .. ..

۱۲. حسرت — مولوی محمد فضل الحسن صاحب

ولادت وطن موہان .. ..

(۵۰) آغازِ حسن و عشق .. ..

(۶۸) لذّتِ فراق .. ..

(۸۷) وصلِ یار .. ..

۱۳. خال — احمد حسین خاں صاحب

ولادت　　وطن لاہور

(۷۶) فرقت کی رات

۱۴۔ دبیر　مرزا سلامت علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۲۰ء　وطن لکھنؤ　وفات ۱۲۹۲ء　مدفن لکھنؤ

(۶۶) رخصت . . . .

(۸۱) انتظار و اضطراب . . . . . .

۱۵۔ درد۔　خواجہ میر صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۳۱ھ　وطن دلی　وفات ۱۱۹۹ھ　مدفن دلی

(۸۰) انتظار یار

(۸۴) پیام یار

۱۶۔ دل　خواجہ دل محمد صاحب

ولادت　وطن لاہور

(۲۴) ملکہ نورجہاں کا مزار . . . . . .

۱۷۔ ذوق۔　شیخ محمد ابراہیم صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۰۴ھ　وطن دلی　وفات ۱۲۷۱ھ　مدفن دلی

(۱۳) بے ثباتی دنیا . . . .

۱۸۔ ذہین　سید غلام مصطفیٰ صاحب

ولادت　　وطن

(۷۴) دور قتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۹۔ رفعت　　نواب سید محمد خاں صاحب مرحوم

ولادت　　وطن فیض آباد　　وفات　　مدفن

(۷) مسافرت دنیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۰۔ ریاض　　سید ریاض الدین احمد صاحب خیرآبادی

ولادت　　وطن خیرآباد

(۲۴) مرثیہ فرزند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۱۔ سرورجہان آبادی　　منشی درگا سہائے صاحب آنجہانی

ولادت　　وطن　　وفات　　مدفن

(۳۸) کلیجے کا داغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۶۱) دل بے قرار سوجا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۹۵) بچہ اور ہلال ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۲۔ سودا　　مرزا رفیع صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن دلی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنؤ

(۷۲) فراق یار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۳۔ شاکر　　منشی پیارے لال صاحب

ولادت　　　وطن میرٹھ

(۱۹) موت کی گھڑی .. ..

(۹۷) سحر موسیقی .. ..

۲۴. شوق قدوائی　　مولوی احمد علی صاحب

ولادت　　　وطن

(۹۶) ہندوستان کی ایک حسین لڑکی اور اس کی ہنسی

۲۵. طالب　　منشی وِنایک پرشاد صاحب

ولادت　　　وطن بنارس

(۱۰) آنی جانی .. ..

۲۶. ظفر　　سراج الدین بہادر شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت　وطن دلی　　وفات　　　مدفن رنگون

(۱۳) بے ثباتی دنیا .. ..

۲۷. عزیز　　مرزا محمد ہادی صاحب

ولادت　　وطن لکھنؤ .. ..

(۲۹) بچے کی قبر .. ..

(۳۴) یتیم اور گورِ پدر .. ..

(۱۴) قبرستان .. ..

(۶۰) دل بے قرار کیا ہے .. ..

۲۸. عزیز عزیز الرحمٰن صاحب

ولادت وطن بلگرام

(۴۸) فنا .. ..

۲۹. غالب مرزا اسد اللہ خاں صاحب مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دہلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دہلی

(۲) گداز مایوسی .. ..

(۴) بزم عشرت دنیا .. ..

(۱۳) بے ثباتی دنیا .. ..

(۲۵) مرثیہ عارف .. ..

(۵۲) ولولۂ عشق .. ..

(۵۸) غم عشق .. ..

۳۰. محروم۔ منشی تلوک چند صاحب

ولادت وطن

(۲۲) موت .. ..

(۲۶) نوحۂ وفات نادر شاعر .. ..

(۲۷) کسی لڑکے کا مدرسہ میں انتظار .. ..

(٣١) ماں کو نزع میں بچے کا دھیان .. ..

(٣٢) معصوم بچّے ماں کی میت پر .. ..

(٣٤) ملکہ نور جہاں کا مزار .. ..

(٦٢) دِلِ بے قرار سو جا .. ..

(٦٩) بانسری کی کوک .. ..

٣١. مرزا شوق — نواب مرزا شوق صاحب مرحوم

ولادت — وطن — وفات — مدفن

(١٢) سرائے فانی .. ..

(٣٥) کسی کی وصیت .. ..

(٣٦) کسی کا جنازہ .. ..

(٥٦) کارنامۂ عشق .. ..

(٦٧) اضطرابِ رخصت .. ..

(٦٨) جُدائی .. ..

(٧٥) شبِ فرقت .. ..

(٧٩) انتظارِ یار .. ..

٣٢. مسلم — محمد مسلم صاحب

ولادت وطن عظیم آباد

(۳۹) خواب قبر

۳۳- مصحفی شیخ غلام ہمدانی صاحب مرحوم

ولادت وطن امروہہ وفات مدفن لکھنو

(۱۳) بے ثباتی دنیا .. ..

۳۴- مومن مومن خانصاحب مرحوم

ولادت وطن دلی وفات ۱۲۶۸ھ مدفن دلی

(۵) عشرت فانی .. ..

۳۵- میر میر تقی صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن اکبر آباد وفات ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنو

(۱۳) بے ثباتی دنیا .. ..

(۴۹) محبت .. ..

(۵۴) کارنامۂ عشق .. ..

(۵۷) جوش عشق .. ..

(۶۳) دل کی بے کلی .. ..

(۸۲) یاروں کا گلہ .. ..

(۸۳) شکوۂ الفت .. ..

۳۶۔ میر حسن — میر غلام حسن صاحب مرحوم

ولادت — وطن دلی — وفات — مدفن لکھنؤ

(۵۹) جنون عشق .. ..

(۶۵) رخصت .. ..

(۷۰) یاد یار .. ..

(۷۱) ماتم ہجر .. ..

(۷۳) دور غم .. ..

(۷۴) خستہ حالی وحسن .. ..

(۸۶) ملاپ .. ..

(۹۸) جوگن کی بین .. ..

(۱۰۰) محفل رقص وسرود .. ..

۳۷۔ ناظر — چودہری خوشی محمد صاحب

ولادت — وطن

(۱۴) جوگی .. ..

۳۸۔ نجم گیلانی — سید نجم الہدی صاحب

ولادت　　　　وطن

(۱۵) جام شہادت

۳۹. نسیم　　پنڈت دیا شنکر صاحب آنجہانی

ولادت　　وطن لکھنؤ　　وفات

(۸) سرائے دنیا .. ..

(۶۹) گل بکاؤلی .. ..

۴۰. طباطبائی　　مولوی حید ر صاحب حیدر یار جنگ

ولادت　　وطن لکھنؤ

(۴۵) گور غریباں .. ..

۴۱. نظیر .　　شیخ ولی محمد صاحب مرحوم

ولادت　　وطن اکبر آباد　　وفات　　مدفن

(۱۱) جب لاد چلے گا بنجارہ .. ..

(۱۷) عبرت .. ..

(۲۰) موت کا نقارہ .. ..

(۳۰) ماں کے بین .. ..

(۴۰) کفن دفن .. ..

(۷۷) آزار ہجر .. ..

(۸۹) لوٹ لد لپیر .. ..

(۹۲) طفل شیر خورے .. ..

(۹۳) معصوم بھولے بھالے .. ..

۴.۴۲

(۲۸) مزار دوست .. ..

(۴۶) شہر خموشاں .. ..

جذبات فطرت

پہلا حصہ جناب نے ملاحظہ فرمایا۔ اسی سلسلہ کی بارہ دیگر کتابیں انتہائی جانفشانی کے بعد تیار ہیں جن کے یہ نام ہیں ؎

(۱) مناظر قدرت چار حصے

(۲) جذبات فطرت چار حصے

(۳) معارف ملت چار حصے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی۔ دہلی

جذبات فطرت

حصہ دوم

مولفہ

محمد الیاس برنی

زیر نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم۔اے

مالک

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی۔ دہلی

قیمت۔ عہ/

"جذباتِ فطرت"

نظموں کا یہ گلدستہ ان بیش بہا نظموں کا
ایک انتخاب ہے کہ جن کو پڑھ کر علم و
ادب کی دنیا اجاگر معلوم ہوگی ۔
یہ انتخاب چار حصوں پر مشتمل ہے ۔

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی
دہلی

(انڈیا لیتھو پریس دہلی)

جذباتِ فطرت

جلد دوم

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں ۔

(۱)	حضرت امام حسین کا عزم سفر	انیس	۱۰
۲ .	حضرت صغریٰ ساتھ چلنے کی ضد کرتی ہیں	انیس	۱۳
(۳)	حضرت امام حسینؑ حضرت صغری کو سمجھاتے ہیں	انیس	۱۴
(۴)	حضرت صغرا کی مایوسی	انیس	۱۵
(۵)	حضرت صغرا کی زار و بے قراری	انیس	۱۶
(۶)	حضرت صغرا سے حضرت علی اکبر رخصت ہوتے ہیں ۔	انیس	۱۸

(۷) قافلہ کی روانگی — انیس، ۱۹
(۸) سفر کربلا — انیس ۲۰
(۹) ورودِ بمیدان کربلا — انیس ۲۱
(۱۰) غنیم کی چھیڑ چھاڑ — انیس ۲۳
(۱۱) قاصد کی خبر — انیس ۲۴
(۱۲) غنیم کی پیشقدمی — انیس ۲۵
(۱۳) شب شہادت — انیس ۲۶
۱۴. حضرت امام حسین کی تلقین — انیس ۲۷
(۱۵) صبح شہادت — انیس ۲۸
۱۶. حضرت زینب کے کمسن صاحبزادوں کا جوشِ شجاعت — انیس ۳۱
۱۷. صاحبزادوں کو علم برداری کی تمنا — انیس ۳۳
۱۸. صاحبزادوں کی طلبِ اذنِ جنگ — انیس ۳۴
(۱۹) حضرت زینب دونوں صاحبزادوں کو رخصت کرتی ہیں۔ انیس ۳۶
(۲۰) دونوں صاحبزادوں کی روانگی — انیس ۴۰
(۲۱) دونوں صاحبزادوں کی جانبازی — انیس ۴۱
(۲۲) حضرت عباس کا جوش محبت — انیس ۴۳
(۲۳) حضرت عباس کی روانگی — انیس ۴۸

(۲۴) حضرت عباس کی معرکہ آرائی	انیس	۴۶
(۲۵) شہادت حضرت عباس	انیس	۴۸
(۲۶) حضرت علی اکبر کی طلب اذن جنگ	انیس	۴۹
(۲۷) حضرت علی اکبر کی سپہ گری	انیس	۵۰
(۲۸) شہادت حضرت علی اکبر	انیس	۵۱
(۲۹) شہادت حضرت علی اصغر	انیس	۵۳
(۳۰) حضرت امام حسینؑ کی رخصت	انیس	۵۴
(۳۱) حضرت امام حسین کی روانگی	انیس	۵۶
(۳۲) حضرت امام حسینؑ کی آخری مناجات	انیس	۵۷
(۳۳) یاد رفتگاں	انیس	۵۸
(۳۴) آخری عبادت اور شہادت	انیس	۵۹
(۳۵) نیرنگیٔ عالم	انیس	۶۰
(۳۶) عبرت	انیس	۶۱
(۳۷) پپیہے	رواں	۶۳
(۳۸) پی	امجد	۶۳
(۳۹) بلبل	رشد	۶۴
(۴۰) بلبل	امیر	۶۵

(۴۱) وداع بلبل	علی گوہر	٦٦
(۴۲) بلبل اسیر	مرزا	٦٦
(۴۳) فغان بلبل	رند	٦٨
(۴۴) بلبل وصیاد	رند	٦٩
(۴۵) بلبل کی فریاد	محروم	٧٠
(۴٦) ماتم بلبل	ایک خاتون از علی گڑھ	٧١
(۴٧) ایک پرندے کی فریاد	اقبال	٨٣
(۴٨) چڑیا کی زاری	محروم	٧٥
(۴٩) دور بہار	منظور	٧٦
(۵٠) کلی کی بے کلی	شوق قدوائیؔ	٧٧
(۵١) پھول کی فریاد	شوق قدوائی	٧٨
(۵٢) ختم بہار	اکبر	٨٠
(۵٣) دور خزاں	سودا	٨١
(۵۴) موسم گرما کا آخری گلاب	سرور	٨٢
(۵۵) سیل زندگی	ناشاد	٨٣
(۵٦) مثال زندگی	شاد بجواڑیہ	٨۴
(۵٧) ہم چلے	میر	٨٦

(۵۸) میرے بعد	خان	۸۶
(۵۹) میرے بعد	امانت	۸۷
(۶۰) دم واپسیں	انجم	۸۸
(۶۱) پیام مرگ	اعجاز	۹۰
(۶۲) انجام غم	اکبر	۹۱
(۶۳) جنازہ پسر	نظیر	۹۱
(۶۴) نوحۂ برادر	شبلی	۹۲
(۶۵) نوحۂ دوست	حسرت	۹۴
(۶۶) بن ماں کی بچی	محمدی بیگم	۹۵
(۶۷) صبر	چکبست	۹۸
(۶۸) سفر آخرت	انیس	۹۹
(۶۹) قبر	دبیر	۹۹
(۷۰) آخر منزل	انیس	۱۰۰
(۷۱) عبرت	رند	۱۰۱
(۷۲) عبرت	میر	۱۰۱
(۷۳) ابتدائے الفت	محروم	۱۰۲
(۷۴) اُلفت	نیر نانک	۱۰۲

(۷۵) عشق	ولی دکنی	۱۰۳
(۷۶) ضبط عشق	محشر	۱۰۴
(۷۷) حال دل	مومن	۱۰۴
(۷۸) دل سے دو دو باتیں	مسرور	۱۰۵
(۷۹) دل شکستہ	صنم	۱۰۶
(۸۰) فسانۂ دل	میر	۱۰۷
(۸۱) بیتابی و بے کسی	مومن	۱۰۸
(۸۲) سوزش الفت	ذوق	۱۰۹
(۸۳) رشک الفت	غالب	۱۱۰
(۸۴) شکایت الفت	سودا	۱۱۱
(۸۵) یاد الفت	مومن	۱۱۲
(۸۶) یاد یار	سحر	۱۱۴
(۸۷) محبت کی چھیڑ چھاڑ	انشاء	۱۱۵
(۸۸) سرد مہری	صابر	۱۱۶
(۸۹) شکر رنجی	آبرو	۱۱۷
(۹۰) شب ہجر	ذوق	۱۱۷
(۹۱) شب فراق	جرأت	۱۱۸

(۹۲) شبِ غم	محروم	۱۱۸
(۹۳) گریہ	محروم	۱۱۹
(۹۴) گوہرِ اشک	اختر جوناگڈھی	۱۲۱
(۹۵) سیتا جی کی منت و زاری	سرور	۱۲۱
(۹۶) رام چندر جی ماں سے رخصت ہوتے ہیں	چکبست	۱۲۲
(۹۷) حبِّ وطن	حالی	۱۲۵
(۹۸) حب وطن	سید حیدر علی زیدی	۱۲۷
(۹۹) میرا وطن	اقبال	۱۲۸
(۱۰۰) ترانۂ ہند	اقبال	۱۲۹
(۱۰۱) نوحۂ ہند	حامی	۱۲۱
(۱۰۲) نوحۂ دہلی	حالی	۱۳۰
(۱۰۳) پیام و سلام اقبال کے نام	محروم	۱۳۱
(۱۰۴) نیا شوالہ	اقبال	۱۳۳
(۱۰۵) گلزار وطن	سرور	۱۳۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادب عالیہ

۱۔ حضرت امام حسینؑ کا عزم سفر

برپا ہے مدینہ میں تلاطم کئی دن سے
ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شورِ تظلم کئی دن سے
منہ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گزری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھلائے
کیا جانئے خط کوفہ سے کس طرح کے آئے

روضہ پہ نبیؐ کے شہ دیں رہنے نہ پائے کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

خلقت کلب ہے مجمع در دولت پہ سحر سے جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے چھپ جائیگا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گھر یہ شہ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
ہیں جمع محلے کی جو سب بیبیاں گھر میں اک حشر ہے ناموس شہ جن و بشر میں
سب مل کے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی

سب کہتے ہیں زینب سے کہ اے شاہ کی شیدا کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا
پانی کی کمی، گرمی کے دن خوف کا رستا وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لوئیں وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیر چلے ہیں
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا آرام سے ماں کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا لکھا تھا اسی سن میں مسافر انہیں ہونا

کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کملا ئینگے ماں ہاتھ ملے گی

سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی
جھیلو نہیں بھی نہر و نہیں بھی شب ہی پانی
اس فصل میں ہوتی ہی بہت تشنہ دہانی
کس طرح جیئیں گے اسد اللہ کے جانی

لو تنا ہوا بچہ کبھی جانبر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

نہ ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے
کچھ تمکو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونیکا ڈر ہی
رحم اس پہ ہی لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے

اصغر کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دم جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھی زینب نہیں بہنوں کوئی چارہ
قسمت میں تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا
مجبور ہے مضطر ہے یہ اللہ کا پیارا

ایام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں

۲ انیس

۲۔ حضرت صغریٰ ساتھ چلنے کی ضد کرتی ہیں

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہی شدت ہیں کئی روز سے خفت
بستر سے میں خود اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
پانی کی بھی خواہش ہی غذا کی بھی ہی رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہی
اب تو مرے منہ کا بھی مزہ تلخ نہیں ہی

کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
سب سہل ہی کچھ مجھ کو نہیں مرنے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سید والا
میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مری جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوے فراق آتی ہی بابا

مرجاؤں گی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
صحت مجھے ہوجائیگی حضرت کی دعا سے
کٹ جائیگا اندوہ سفر فضل خدا سے
بیماری میں جان آئیگی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں روؤنگی نہ غم کھاؤنگی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہی سر میں
اُف تک نہ کروں رکھ کے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر میں
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں

ہو جانا خارا ءیں گر روئے گی اصغر
یاں نیند کب آتی ہی جو واں سوئیگی صغرا

وہ بات نہ ہو گی کہ جو بے چین ہو مادر
ہر صبح میں پی لوں گی وو آپ بنا کر
دن بھر مری گودی ہیں رہیں گی علی اصغر
لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
ہیں یہ نہیں کہتی کہ عماری .میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہؔ کی سواری ہیں بٹھا دو

انیس

(۳) حضرت امام حسینؑ حضرت صغریٰؓ کو سمجھاتے ہیں

ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
کیا نرگسی آنکھوں سی نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہی ارمان حرارت ہی تنِ زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

دم چڑھتا ہی بستر سے اُٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کہو محمل میں چڑھا جائیگا کیونکر
گھر میں تمہیں پانی کی کھٹر کہتی ہی دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر
تم جانے کے قابل نہیں یں رہ نہیں سکتا
شب سے ہے یہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام — منزل پہ نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام — دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارہ ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

گھر میں تمہیں چھوڑوں نہیں یہ دل کو گوارا — لے جاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہی تمہارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا — مجبور ہوں ہو صبر نہیں اب کوئی چارا
فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اتروں گا جو منزل پہ تمہیں یاد کروں گا

تھوڑے ہی دنوں ہوئیگی کنبہ سے جدائی — پردیس سے آ کر تمہیں لے جائیں گے بھائی
کی مجھ سے نہ گر کوئی خلقت نے بُرائی — ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفائی؟
خوش ہونگا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مرجاؤنگا جب میں تو نہ کیا صبر کروگی؟

انیس

۴۔ حضرت صغریٰ کی مایوسی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم ہے گھر میں — بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں — صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُس کو
منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ بھی ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہ عالم
ہے ہے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارہ نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

انیس

۵. حضرت صغریٰ کی زاری و بیقراری

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا
تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
کیا خوب مری نخل تمنا میں پھل آیا
دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانہ میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے   میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہ ہوا ہائے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں اے وائے   کہنے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
بیماری مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رہنے سے اتر جائیگی یہ تپ   ہل درد بھی سر میں مرے ہوئیگا نہیں اب
تڑپوں گی تو جائیگی یہ اعضا شکنی سب   بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
غم کھانے سے آجائے گی طاقت مرے تن میں

کھوئے گا یبوست کو بھی راتوں کا نہ سونا   تفریح مجھے بخشے گا منہ اشکوں سے دھونا
تسکین ہی بالیں پہ عزیزوں کا نہ ہونا   تنقیۂ کامل ہے مرے واسطے رونا
راحت سے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی   بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
تڑپوں گی نہ فرقت میں امام دوجہاں کی   شفقت مجھے یاد آئیگی بہنوں کی نہ ماں کی
فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہیں کروں کس کی شکایت   بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت

چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت
بولیں نہ پھوپی جان بھی کچھ واہ ری قسمت
فرقت کا الم میرے کلیجے پہ چھری ہے
سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بری ہے

انیس

۸۔ حضرت صغریٰ سے حضرت علی اکبر رخصت ہوتے ہیں

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر
کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر
محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

پیارے مرے بھیا مرے مہرو علی اکبر
چھپ جائیں گے آنکھوں سے گیسو علی اکبر
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علی اکبر
ڈھونڈیں گی یہ آنکھیں تمہیں ہر سو علی اکبر
دل سینہ میں کیوں کر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا
صحت سے جو ہیں انہیں کہاں پر اٹھ کانا
بھیا جواب آنا تو مری قبر پہ آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہو گئے روانا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمہاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے غم اس کا نہیں زنہار — وہ ڈر کا ہے کہ جب ہونگے عیاں موت کے آثار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رخ بیمار — یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غم خوار
سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کرونگی
میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کرونگی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان — گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان — صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
جینے کے لئے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

انیس

۷. قافلہ کی روانگی

یہ کہہ کے چلے قبر حسن سے شہ مظلوم — رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یاران وطن گرد تھے افسردہ و مغموم — چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسول عربی کا
تابوت ابھی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

تھا ناکے تلک شہر کے اک شور قیامت — سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت — پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت

آخر تو بچھڑ کر کف افسوس ملیں گے
وس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں نہیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
تکلیف تمہیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ

اللہ کو سونپا تمہیں، آنسو نہ بہاؤ
پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ

اس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے
جو صاحب حشمت تھے وہ ہمراہ سدھارے

تمّ ہٰنبیں

۸۔ سفر کربلا

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت

ڈوبے ہوئے پسینوں میں وہ غازیوں کے رخت
سنولا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت

راکب عبائیں چاند سے چہرے پہ ڈالے ہیں
تو سنے ہوئے سمندر بانیں نکالے ہیں

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر

سرگرم مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر
سب برگ گل سی خشک ہیں چہرے عرق سی تر

آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اٹے ہیں غبار سے

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی نکانیں — آ پہونچی ہیں ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
سنولائے ہوئے دھوپ میں وہ خشک زبانیں — اللہ کے جولو رہیں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کونسی ایذا ہے جو در پے نہیں ہوتی
بے خار الم راہِ خدا طے نہیں ہوتی

انیس

۹. ورود بمیدان کربلا

جب طے کیا شہ نے سفر راہ خدا کو — منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
اک عید ہوئی عاشق رب دوسرا کو — بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمین کا
یاں سے نظر آتا ہے چمن خلد بریں کا

اے قافلے والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے — خیمے کرو برپا یہ اترنے کی جگہ ہے
دیندار وں کے یہ سر سے گزرنے کی جگہ ہے — ہمت جو خدا دے تو یہ ہی مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہہ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہے جس میں مری خاک ملیگی

اترے فرس خاص سے سبط شہ لولاک — تھرا کے زمیں زرد ہوئی اڑنے لگی خاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رخ پاک — رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک

غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہ کے رونے کی آئی

جھونکوں سے ہوا کے جو اڑے پردۂ محمل
سینوں میں اچھلنے لگا بیدانیوں کا دل
زینب نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل
آفات سے محفوظ رکھے خالق عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آجائے جہاز آلِ نبیؐ کا

زینب نے کہا شاہ سے باگریہ وزاری
یہ کون سا صحرا ہے بہن ہو گئی واری
منہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں یاں کئی باری
گھبراتی ہے ڈر ڈر کے سکینہ مری پیاری
بانو کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
کچھ دودھ سے اصغر نے بھی منہ پھیر لیا ہے

زینب سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر
کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیر
اس وشت کا کیا حال سناؤں تمہیں ہمشیر
کونین میں اس ارضِ مقدس کی ہے توقیر
گردوں سے ملائک کے اترنے کی یہ جا ہے
تم کو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہے

انیسؔ

۱۰۔ غنیم کی چھیڑ چھاڑ

جب منزلِ مقصد پہ امامِ زمن آئے
تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
جنگل میں عجب شان سے گل پیرہن آئے
مرجھائے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدانِ ستم کی
آنے لگی صحرا سے ہوا باغِ ارم کی

فرما کے یہ فراشوں کو عباس پکارے
ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے
فراشوں نے بار اونٹوں کی پیٹھ سے اتارے
ناگاہ نشان ظلم کے برپا نظر آئے
خیمہ ابھی کھلنا تھا کہ اعدا نظر آئے

میداں سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمہارا
فوج آتی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا
ہو گا لبِ جو شام کے لشکر کا اُتارا
ہتھوا لئے تیغ و سپر اکبر یہ پکارے
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منہ پہ ہمارے

کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھاؤ
آساں نہیں شیروں کا ترائی سے اٹھانا
حیدر کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہے جانا
قبضے ابھی پکڑیں تو اُلٹ جائے زمانا
کر دیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
جس طرح اُلٹ دیتے ہیں انگلی سے ورق کو

انیس

۱۱۔ قاصد کی خبر

مانند ہوا وہ اڑ گیا پیکِ صبا دم — پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرے کو ہوا خم
قائم رہے اقبال شہنشاہِ دو عالم — کوفے کی ہوئی فوج لبِ نہر فراہم
سب چار ہزار اس میں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

اکبر نے کہا ہونا تھا کیا فوج میں چرچا — ٹھہر آگیا اور سر کو وہ نیوڑا کے یہ بولا
شہزادۂ کونین جو کچھ آپ نے پوچھا — ہو جائے یہ زباں قطع اسے عرض کروں کیا
کتنا تھا یہ لشکر عمرِ سعد شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسینؑ ابن علیؑ کا

عباس لگے کانپنے ہونٹوں کو چبا کر — کی تیغ کے قبضے پہ نظر غیظ میں آکر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج کو جا کر — روکا شہِ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر
سونچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
غصے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

م انیس

۱۲- غنیم کی چھڑی

تھے مستعد جنگ اسی روز ستمگر — روکے ہوئے تھے فوج کو عباس دلاور
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبر — آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جائیگا بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموس رسولِ عربی ہے

خیمے میں گئے حضرت عباس دلاور — حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمہ پہ ستمگر — قبضہ پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبر
خاموش ہیں سب حکم امامِ دوجہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشان فوج کے کھولے — منہ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو تولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے — آقا کے مگر خوف سے کچھ ہم نہیں بولے
نامردی شقی صاحب شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

انیس

۱۳۔ شبِ شہادت

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اجالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا

خاک اڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چین بچھیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں
تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ وحشت سے نہ جانیں کہیں جائیں
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں

گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری
غش ہو گئی تھی بانی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیر کی پیاری
یا حضرت عباس چلی جان ہماری

افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھے دوسرے خیمہ میں ادھر سبطِ پیمبر
دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسم تھے اور اک پہلو میں اکبر
اکبر کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر

بیحد محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار
عباس سے یہ کہتا تھا وہ کل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکر کفار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو ادھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دو پہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
دل یاد خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریٔ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعت رب کا

انیس

۱۴۔ حضرت امام حسین کی تلقین

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر
بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے رب دو جہاں حاضر و ناظر
اجر ان کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا ہے ور د سفر ہو کہ حضر ہو
موجود سمجھ لے اسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں گر راحت میں بسر ہو
تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو

عشق گل تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر
دم عشق کا بھرتا رہے زیر دم شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشن توقیر
تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دم تکبیر
کٹنے میں رگوں کے صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بو الفت اللہ کی نکلے

شہ نے سخن معرفتِ حق جو سنائے
اشک آنکھوں میں ہر عاشق صادق کی بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے
سجادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکر اللہ و نبی میں
سب محو ہوئے یاد جناب احدی میں

انیس

۱۵۔ صبح شہادت

جب رات عبادت میں بسر کی شہ دیں نے
سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہ دیں نے
مڑ کر رخ اکبر پہ نظر کی شہ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی — یہ صبح دکھائیگی بھرے گھر کی صفائی
دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی — بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی
اج احمد وحیدر کے گریبان پھٹینگے
اٹھارہ بنی فاطمہ کے حلق کٹینگے

بندہ وہی جو دُکھ میں رہے صابر و شاکر — اک جاں ہی سو موجود ہی اک سر ہی سو حاضر
بہتر ہے اُٹھے جتنا سبکبار مسافر — یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزل آخر
خلقت ہمیں سر پیٹے گی روئے گی جہاں میں
اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئیگی جہاں میں

یہ کہہ کے بڑھے بہر تیمم شہ صفدر — جنگل میں اذاں دینے لگا دلبر سرور
وہ صوت حسن اور وہ خوش لحنیٔ اکبر — ہر شخص کو یاد آگئی آواز پیمبر
ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبل حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکاری — تا حشر رہے خلق میں آواز تمہاری
قربان موذن کے نمازی کے میں واری — قائم یہ جماعت رہے یا حضرت باری
ہر شام یوں ہی طاعت معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہ حجازی — پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی

ابرارِ جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی   تھی ان پہ خدا کو نظر بندہ نوازی
دنیا میں نہ رہتے نہ کبھی ہوں گے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسین ابن علی کے

وہ چاند سے چہرے وہ سپید انکی عبائیں   وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دعائیں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش آئند صدائیں   مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی ادھر آئیں
اک جوشِ محبت انھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

تسبیح و وظائف سے ہوئی جبکہ فراغت   حضرت نے پڑھی اللہ کے محمدؐ کی زیارت
بس ہو گئی اک مجلس ماتم وہ جماعت   فرما کے یہ ان سب سے گئے خیمہ میں حضرت
باہر علم فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

انیس

۱۶۔ حضرت زینب کے کم سن صاحبزادوں عون و محمد کا جوشِ شجاعت

(عون اور محمدؑ حضرت زینب کے دو کمسن صاحبزادے تھے جن کی عمر بارہ بارہ چودہ چودہ سال کے قریب ہوگی میدان کارزار میں ان کا کارنامہ بھی یادگار زمانہ رہے گا۔ ذیل کی نظموں میں انہی کی شہادت کا حال مذکور ہے)

نام خدا ہیں عون و محمدؑ بھی کیا شکیل — اک مہر بے نظیر ہے اک ماہ بے عدیل
افروختہ ہیں رخ پہ شجاعت کی ہے دلیل — ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثل علی ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

وہ اشتیاق جنگ میں لڑنے کو ولولے — بیتاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سی گلے — سب فاطمہ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسول حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علی نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اک سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کئے — یہ نیمچے نہ لیوینگے دم، بے لہو پئے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جئے — صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لئے

آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھئے گا تماشہ لڑائی کا

بیچین یہ خادمانِ اولو العزم کے نہ جائیں
جب چاہیں معرکہ میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھپک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکال لے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال
کھلتے ہیں خود دلیر ونکے جوہر دم جدال
ہر وقت چاہیے مدد شیر ذو الجلال
نعرے ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہمکو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چپکے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار
شبیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آکے عرض کرتے تھے عباس نامدار
سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرارت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ پیچھے رہینگے بھلا فوج شام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمر یہ آن بان
یہ بھولے بھولے منہ یہ جوانمردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
چلتی ہے ذو الفقار علی کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ تیغے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

انیس

۱۷۔ صاحبزادوں کو علمبرداری کی تمنا

زینب کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم — کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائید خدا چاہئے گو عمر میں ہیں کم — عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار تھے نانا بھی علمدار — ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار — ہیں بادشہ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام — مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ یہی کام
یہ سر ہے نثار قدم شاہِ خوش انجام — عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاق اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

انیس

۱۸۔ صاحبزادوں کی طلب اذن جنگ

(حضرت زینب کے کمسن فرزند عون و محمد میدان میں جانے کے واسطے بیتاب ہیں۔)

ناگاہ ہوا شور مبارز طلبی کا
پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
منہ سرخ ہوا غیظ سے ہمشکل نبی کا
رایت کبھی بڑھا فوج رسول عربی کا
حیدر کے نواسوں کے بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

گھبرا کے پکارے جو انہیں سید ابرار
بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرّار
کی عرض بصد عجز کہ اے کل کے مددگار
ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
بیتاب ہیں دل جان مصیبت میں پڑی ہے
اے بندہ نواز ذرہ نوازی کی گھڑی ہے

حضرت پہ ہے روشن جو ہمارا ہے ارادہ
سن کم ہے پہ ہمت ہی جوانوں سے زیادہ
نانا تو علی جعفر طیار ہے دادا
ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادا
شیروں کی طرح بیشۂ حیدر میں پلے ہیں
تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

وہ تیغ کے مالک ہیں تو مختار ہیں ہم بھی
دادا کی طرح مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی

نانا تھے جو کرّار تو جرّار ہیں ہم بھی — سر دے کے شہادت کی طلبگار ہیں ہم بھی

ہے جوشِ وفا غم کے پیمانے بھرے ہیں
ہم صبح سے سر نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

بسمل جو ہوئے مسلم مظلوم کے پیارے — ہم خیمہ ہیں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
اماں نے کہا ہو گا کہ اب ننگ ہے سد ہمارے — جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے

قاصر ہیں جو توقیر شہادت نہیں ملتی
کیا جانے اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

عورت ہیں یہ خوبو شہ میدان ہی ساری — شب کو بھی یہ فرمایا تھا ہم سے کئی باری
تم یہ نہ سمجھیو کہ میں عاشق ہوں تمہاری — بھائی سے مجھے جان نہ اولاد ہے پیاری

کس کام کے پھر سر جو تصدیق نہ کرو گے
تب دودھ میں بخشونگی جو عزت سے مرو گے

ہم آپ سے مرنے کے لئے جا نہیں سکتے — زخم و تبر و تیر و سنان کھا نہیں سکتے
بے حکم جو مطلب ہی اسے پا نہیں سکتے — آداب سے کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے

ہم پیچھے رہیں سب سے یہ تقدیر ہماری
ہاتھ آپ کے ہے عزت و توقیر ہماری

انیسؔ

۹۔ حضرت زینب دونوں صاحبزادوں کو رخصت کرتی ہیں

(حضرت زینب کے دونوں کم سن فرزند عون و محمد بہت اصرار کے بعد اپنے ماموں حضرت امام حسین علیہ السلام سے میدان جانے کی اجازت حاصل کرتے ہیں والدہ لڑکوں کی تاخیر سے بدگمان اور بے چین ہو رہی ہیں حتیٰ کہ دونوں بھائی جھگڑتے آتے ہیں کہ میدان میں پہلے کون جائے۔ اماں فیصلہ کر کے ہمت بڑھاتی ہیں۔

ماموں پہ یہ آفت ہے اور انکو نہیں کچھ دھیان — اب صدقے نہ ہوئینگے تو کب ہوئینگے قربان
بن باپ کے بچے تو سدھارے سوئے میدان — ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں نادان
شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے
ہاں دودھ انھیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھ سے

وہ کیا تھا جو دونوں کیا کرتے تھے تقریر — ہو جائیں گے ہم پہلے نثارِ سرِ شبیرؑ
اب کیا ہے جو مرجانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر — شرمندہ ہوئی بھائی سے یہ ہے مری تقدیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوجِ ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر

اچھا کیا جو کچھ کیا۔ مرنے کو نہ جائیں — پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں — مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اٹھائیں

پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبِ جگر افگار
اتنے میں پسر آ کے گرے قدموں پہ اکبار
کی وسعتِ ادب جوڑ کے یہ عون نے گفتار
ہے بھائی ہیں اور مجھ میں بڑی ویرسے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اٹھاؤں
سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
زخم تبر و تیر و سنان سینے پہ کھاؤں
اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑیئے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ سن کے جو خاموش ہوا عون خوش اطوار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا اکبار
کی عرض سنا آپ نے اے مادرِ غم خوار
کیا جانے کس بات پہ ہم سے یہ خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہم نے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی منہ نہیں موڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
ٹھہرا کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا
ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹے ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں — اچھا ہمیں لاکھوں میں یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں — میدان سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں

جانبازوں کے نزدیک نہیں ملکِ عدم دور
نہ فوج ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دنیا میں کوئی اور بھی ہم سا ہے دلاور — ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
اک حملے میں گر ہم نہ الٹ دیں صف لشکر — پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر

شہ کے قدم پاک پہ سر دیکے پھریں گے
یاران سے سر شمر و عمر لے کے پھریں گے

خاطر تو نہ ان کی نہ مری کیجیے مادر — انصاف سے فرمائیے از بہر پیمبر
کس طرح کہوں میں کہ چلے جائیں یہ اور — چھوٹا تو جیے اور بڑا بھائی ہو بے سر

بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ پلے ہیں
کیسی ہے یہ الفت کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں

بیٹوں کے سخن سن کے یہ کہنے لگی زینب — ہاں دیر کا باعث یہی تھا مجھ پہ کھلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب — ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے نہیں کب

جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

آپس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو — جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو

ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو — سرداروں کے سر چھوٹی سی تیغوں سے اتارو
باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شر پر
ایک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیر اجل آئے — چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
قاصر نہ ہو ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے — چھاتی نہ ہٹے سینہ پہ برچھی کا جو پھل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

لڑے لڑو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے — جل جائے وہ صف، وار جدھر تیغ کا چل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے — مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
لشکر پہ چپ و راس چڑھے جائیو واری
روندے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو واری

شیروں کے لئے ننگ ہے تلوار سے ڈرنا — میدان میں تن تن کے سپر سینوں کو کرنا
ہر زخم پہ دم الفتِ شبیر کا بھرنا — قربان گئی جینے سے بہتر ہے یہ مرنا
دنیا میں بھلا عزتِ اسلام تو رہ جائے
تم جیتے رہو یا نہ رہو نام تو رہ جائے

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں — سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں — ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں

دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھونگی لڑائی کا تماشا

انیس

۲۰۔ دونوں صاحبزادوں کی روانگی

دو روز کے پیاسو تمہیں اللہ کو سونپا
حیدر کے نواسو تمہیں اللہ کو سونپا
ماں صدقے بزرگوں کا چلن بھول نہ جانا — سیکھے ہو جو کچھ جنگ کا فن بھول نہ جانا
آداب شہنشاہ زمن بھول نہ جانا — جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا

وہ کہتے تھے جرأت تو خدا داد ہے اماں
تشویش نہ کیجئے ہمیں سب یاد ہے اماں
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغر پہ ہمیں واریو اماں
یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے — گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے رکھے کاندھوں پہ جو بچوں نے بھالے — ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے

رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ خوش رو
دل ماں کا یہ اُمڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اُٹھائیں تو فرس بن گئے آہو
پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینبِ خوش خو
میداں کی طرف یاس سے منہ رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

انیس

۲۱۔ دونوں صاحبزادوں کی جانبازی

(عون و محمدؑ غنیم پر حملہ کرتے ہیں۔)

گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے پہونچے جو بہادر
فوج ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر
لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہور
کیا جانیے کیا نام ہیں ان کے اب و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اسد کے

برچھی لیے انبوہ سواروں کا جب آیا
شہزادوں نے ڈالو نمیں سمندوں کو دبایا
اک شور ہوا غیظ رحیموں کو اب آیا
وہ نیمچے بجلی سے جو چمکے غضب آیا
آخر وہ جری لختِ دلِ ضیغم دیں تھے
سر تھے صفِ اول کے کہیں جسم کہیں تھے

جانبازیاں دکھلاتے تھے میداں میں وہ جانباز
دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہِ سرفراز

قاسم کا سخن تھا کہ علی کا ہی سب انداز — فرماتے تھے اکبر یہ لڑائی کا ہے کہ اعجاز
بڑھتے تھے کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباس
جب وار وہ کرتے تھے پھڑک جاتے تھے عباس

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو — کیا کہنا ہے پھر بڑھ کے یہی ہاتھ نکالو
رہوار بڑھے جاتے ہیں باگوں کو سنبھالو — حلقہ ہے کڑی آنکھ زرہ پوش پہ ڈالو
اب ہٹنے کی مہلت مری جاں ان کو نہ دینا
ہمت بھی کریں گر تو اماں ان کو نہ دینا

سیدانیاں دروازوں پہ ہیں کھولے ہوئے سر — اصغر کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشان کئے منہ خیمہ کے باہر — پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اڑتے ہوئے گیسو — وہ نیمچے بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لئے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفاجو — وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو
بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

زینب نے کہا دونوں ہی یکجا کہ جدا ہیں — کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہ لقا ہیں — منہ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرم وغا ہیں

دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو
یہ سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرتِ زینب
فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں وسواس بر آیا مرا مطلب
لو بیبیو بلکر صفِ ماتم پہ چلو اب
بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہ خدا میں

انیسؔ

۲۲۔ حضرت عباسؑ کا جوشِ محبت

بھائی کے لئے جی سے گزر جاتا ہی بھائی
جاتا ہے برادر کبھی جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں نبض توڑ جاتا ہی بھائی
آنچ آتی ہی بھائی پہ تو ڈر جاتا ہی بھائی
نعشیں کبھی باہم زیر زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں کبھی پس مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر
عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارہ
بلبل کو کبھی گُل کی جدائی ہے گوارا
قمری کو بجز سروِ چمن کون ہے پیارا
گردن سے کبھی طوقِ غلامی نہ اتارا
سر تن سے جدا ہو پہ نہ جانا نہ جدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

فرزند محمدؐ ہے مرا مالک و مختار
فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں ہوار
کہہ دیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اک بار
گر حکم وغا دیں تو کروں لاکھوں سے پیکار
رستم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر ہوں تو ان کا
بندہ ہوں تو ان کا جو برلور ہوں تو ان کا

انیس

۲۳۔ حضرت عباس کی روانگی

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرت عباس
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب بصد یاس
کیا کہتی ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس
منہ شہ سے وہ موڑیں گے نہ مانونگی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑینگے نہ مانوں گی کبھی میں

میں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جاتا ہے آساں
دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
عباس کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں
جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
کیا جانئے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
سر کاٹی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی
جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی سے بھائی

چلائی کہ سمجھی میں جہاں چھپ کے چلے تھے
آئی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

بتلائے جاتی ہے کدھر آج سواری
اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری
کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری

بر میں ہے زرہ، تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

عباس پکارے میں اس آواز کے قرباں
ہم جاتے ہیں پانی کے لئے آؤ مری جاں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں
بس گھر سے تمہیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں

بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لئے وہ تمہیں ہاتھ سے کھوؤں
میں قبضۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
شب ہوئے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں
اب روتی ہوں پانی کے لئے پھر تمہیں روؤں

ہے ہے شہ بیکس کا رولانا نہیں اچھا
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباس نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤں
تم بھی پیو اصغر کو بھی چلو سے پلاؤں

نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھاؤ تو جگر سرد ہو میرا

کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دل گیر　　کیا کہتے ہیں سنتے ہو چچا جان کی تقریر
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر　　اب مشک بھی لا دو انھیں جو خواہش تقدیر
روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

یہ سن کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم　　آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم　　عباس چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمہ کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر بُرج سے باہر نکل آیا

انیس

۲۴۔ حضرت عباس کی معرکہ آرائی

چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب　　دیں گے زبانِ تیغ سے ہم آپ کو جواب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب　　پھر کس لیے ہی بیعتِ حاکم سے اجتناب
خیموں سے گھٹنیو اگر اصغر بھی آئے گا
جز آبِ تیر، پانی کا قطرہ نہ پائے گا

یہ سن کے لی نیام سے تیغِ شرر فشاں　　آواز دی زمین نے کہ یا حافظِ زماں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں　　دہشت سے تھرتھرا گیا مریخ آسماں

ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غل تھا کہ فوجِ شام کا دفتر الٹ گیا

بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پار   پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
زیر زمیں تو گاوِ زمیں کو نہ تھا قرار   ٹھہرا ہوا تھا شیر فلک وقت گیر و دار
غل تھا علی کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے

ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا   دریا پہ جھوم جھوم کے بس آ گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا   بارانِ تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوجِ عدو روندنے لگی
جنگل میں برقِ قہرِ خدا کوندنے لگی

چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی   سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
سینے سے روح، جسم سے گردن جدا ہوئی   خوں میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی
باڑھ اس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اس کا گھاٹ کنارا تھا گور کا

گرتی تھی کوند کر وہ جو تیغِ شرارہ ریز   دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کوچۂ گریز
چلنے میں تیغ تیز، فرس تیز ہاتھ تیز   رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ ستیز
کشتے تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں
ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں

کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہنچ گئی
سر پر پڑی تو پیر کے بر تک پہنچ گئی
برسے مثال برق جگر تک پہنچ گئی
پی کر لہو جگر کا کمر تک پہنچ گئی
چڑھ کر کمر سے زین پر آئی سرنگ کے
ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے

نکلا ادھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا
پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یا چار تھا
کوسوں لہو سے دشت ستم لالہ زار تھا
بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
سر یوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

انیس

۲۵. شہادت حضرت عباس

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہ ابرار
صدقے ہیں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھی تیروں سے ہر چشم گہر بار
عباس نے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا گئے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امام دو جہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے ہٹاؤ
عباس ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گو ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ

تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہی بھائی
عباس نے کی عرض کہ ہی موت گلو گیر
کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقت تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرت شبیر
امید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے روئے خلفِ شاہ نجف ہے
اس وقت تلک منہ مرا قبلہ کی طرف ہے
سب کام مرے آپ کے صدقے میں بن آئے
وہ فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسن آئے رسول زمن آئے
سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہی آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

انیس

۲۶۔ حضرت علی اکبر کی طلب اذن جنگ

(علی اکبر حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت بانو سے رخصت ہو کر میدان جنگ کو سدھارتے ہیں)

اتنے میں کمر باندھ چکے اکبر جرار
سینے میں دھڑکنے لگا بانو کا دل زار
فرزند کا منہ تکنے لگے سید ابرار
ہمشکل پیمبر ہوئے رخصت کی طلب گار

ہاتھوں سے کلیجا شہ بے پر نے سنبھالا
گرنے جو لگی ماں علی اکبر نے سنبھالا

فرمایا پدر صدقہ ہوے اکبر ذیشان
کیا کہتے ہو رخصت کسے کہتے ہیں مری جان
دم کس میں ہے جو دے کون تمہیں رخصت میداں
دنیا سے یہ شبیر کی رحلت کا ہے ساماں

ماں باپ چراغ سحری ہیں علی اکبر
ہم تم سے بھی پہلے سفری ہیں علی اکبر

تم ہوتے تو یہ ہوتا کہ لاشے کو اٹھاتے
اور قبر ہماری اسی جنگل میں بناتے
ہم غسل و کفن ہاتھ سے فرزند کی پاتے
اس دشت میں مرتے تو بھلا دھوپ نہ کھاتے

مرضی جو تمہاری نہیں بس باپ کا کیا ہے
کچھ غم نہیں پر خیر ہمارا بھی خدا ہے

انیسؔ

۲۷ حضرت علی اکبر کی سپہ گری

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر نرینہ
پہنچا تھا جسے زور علی سینہ بسینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ
شب دیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ

یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کہیں شیر ہرن پر

زن سے جو وہ تلوار گئی سن سے پھر آئی　　وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سی پھر آئی
وہ کھینچ کے سپر سے گئی جوشن سی پھر آئی　　وہ صدر سے خالی گئی توسن سی پھر آئی
ہاں بعد علی کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز　　شہزادے کے گھوڑے کی قریب آ گیا شبدیز
بس تھام لی اکبر نے عنانِ فرسِ تیز　　جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
ہوش اڑ گئے اس بانیِ بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا　　چاروں سم رہوار کئے صاف قفارا
گھوڑا جو گرا وشت ستم بل گیا سارا　　بس چور ہوا پس کے فرس سے ستم را
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا
نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

انیس

۲۸۔ شہادت حضرت علی اکبر

لے آئی جو بیتابیِ دل لاشِ پسر پر　　جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخم جگر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر　　سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر

اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں منہ پہ عرق خاک پہ گیسو | پتھرائی ہوئی آنکھ کے تیغوں سی ابرو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو | چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
یہ زیر لب آواز کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آ گئی بابا نہیں آئے

اے درد جگر تھم کہ شہ بحر و بر آئیں | اے جان نہ گھبرا شہ جن و بشر آئیں
اے روح تو وقف شہ والا ادھر آئیں | اے موت ٹھہر جا پدر آئیں پدر آئیں
ارمان دل زار پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کے آغوش میں نکلے

چلائے شہ دیں علی اکبر پدر آیا | اٹھو مرے پیارے مرے دل بر پدر آیا
تم ڈھونڈتے تھے اے مہ انور پدر آیا | ناشاد پدر بیکس و بے پر پدر آیا
کچھ دل کی کہو بات کرو، ہوش میں آؤ
صدقے پدر، آؤ مرے آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں | گر رو نہ ہو ہاتھوں سے بازو کو سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے ٹالوں | مرتے ہوئے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں
بہہ بہہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا
سینے سے کلیجا نظر آتا ہے تمہارا

اکبر نے سنی غش میں جو یہ باپ کی زاری — بیتابیٔ شبیرؑ پہ آنسو ہوئے جاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہی ہماری — جینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری
اکبر کو سکینہ کو، برادر کو نہ دیکھا
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدر — کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغرِ کوثر
دادی مرے پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر — اور شور ہے حوروں میں کہ ہی ہی علی اکبر
ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی
آتی ہے صدا اگر یۂ محبوبِ خدا کی

انیس

۲۹۔ شہادت حضرت علی اصغرؓ

چھٹتے ہی حلق بچے کا چھید اتو نے تیر نے
گھبرا کے غش سے کھول دیں آنکھیں صغیر نے

کیا سن تھا تیر کھاتے ہی بچہ بلک گیا — سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ تا مت سرک گیا — ٹوپی گری زمین پہ، منکا ڈھلک گیا
ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے
ہچکی جو آئی منہ سے انگوٹھے نکل پڑے

منہ آسماں سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا — دیکھا کہ پار حلق سے تیرِ جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا — اور دیکھتا ہے جیسے کہ کوئی ڈرا ہوا
آنکھیں پھرائے دیتے ہیں تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اُگلتے تھے اب خوں اُگلتے ہیں

۷ بیر

۲۳۔ حضرت امام حسینؑ حضرت زینبؑ سے رخصت ہوتے ہیں

منہ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر — ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لئے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیر — بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر
بیٹی ہو پیمبر علی اکبر کے الم میں
کیا جان گنوا دوں گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی — صدمے سے جئے گی نہ سکینہ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمہیں پالنے والی — صابر جو ہیں ملتا ہے انہیں رتبۂ عالی
ایسا تو کسی کو غمِ تنہائی نہ ہوگا
اللہ تو سر پر ہے اگر بھائی نہ ہوگا

وہ حمد کے لائق ہے سزاوار ثنا ہے — ہے اس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے

راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دار فنا ہے
آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے

ہے کون بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں
جو نور خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں

تم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں
پیدا ہوئی جن کے لئے دنیا وہ کہاں ہیں

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر
جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر

وہ مجمع احباب وہ دربار پیمبرؐ
وہ فاطمہ کا جاہ و حشم شوکت حیدر

بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے اس میں

اک دن تھا کہ عشرت کی مہیا تھے سب اسباب
یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب

وہ وقت وہ آرام وہ ہمدرد وہ احباب
معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیکھا تھا کبھی خواب

آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کریں گے
کل اور اسی طرح ہمیں یاد کریں گے

کیا آگے بہن کے کوئی مرتا نہیں بھائی
برسوں جو رہے وصل تو اک دن ہے جدائی

لٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی
جاتی نہیں بے جان لئے جب اجل آئی

ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینب
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینب

مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے
بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا ان کو جو تھے جان سے پیارے
بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے

فلقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اب یہی الفت ہے کہ جانے کی رضا دو

انیسؔ

۳۱۔ حضرت امام حسین کی روانگی

لو جاتے ہیں ہمشیر خدا حافظ و ناصر
اب جسم ہے اور تیر خدا حافظ و ناصر
اے بانوئے دلگیر خدا حافظ و ناصر
ہے رخصتِ شبیر خدا حافظ و ناصر

کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہ
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہ

اے عابد بیمار و حزیں گھر سے خبردار
اے جانِ پدر آلِ پیمبر سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار
مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار

مشکل جو ہو امت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تحریر پہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
غش ہو گئی زینب وہ اُٹھا درد جگر میں
ٹھیرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

انیس

۳۲۔ حضرت امام حسین کی آخری مناجات

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر
کج کی طرف دوش میں گردنِ انور
تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
گو رسم کہ آل اُنکی تباہی میں پڑی ہے

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں مرے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حفاظت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

انیس

۳۳۔ یادِ رفتگاں

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر — کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کو ہمیں آ کر
دعوت یونہیں کرتے ہیں مسافر کو بُلا کر — ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی — وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی — دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے بھتیجی کو پکارے — الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمہارے
لڑتے ہوئے آ پہنچے ہیں دریا کے کنارے — عباس غش آتا ہے ہمیں پیاس کی مارے
ان کے سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے — اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمہیں کس طرح جگائے — ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

انیس

۴۳۔ آخری عبادت اور شہادت

جھک جاتے تھے گرنے پہ جو غش میں شہ ابرار — منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرِ دل افگار — اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپِ وفادار
اُتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا

ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا — اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گزرنا — سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ سر و تن کا
ذی حق ہمیں اس کے ہیں کہ ورثا ہیں پدر کا

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی — خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی — خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہ عالی
کپڑے تنِ پرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار — جاؤ ڈیوڑھی پہ اے صاحبِ معراج کی رہوار
اب ذبح کریں گے ہمیں اعدا ہیں ستمگار — زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا تن سر سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پر | جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں جو لگا تیغ ستمگر دہن پر | یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر

بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار | شورِ دہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار | اے خولی و شیث و بنِ ذی الجوشن جرار

آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابنِ علی کا

ملبوسِ بدن لے گئے سب لوٹنے والے | سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
پہلوئے مبارک میں گڑے رہ گئے بھالے | کیوں چرخ یہ حال اُس کا جسے فاطمہ پالے

شبیر کا سر نیزۂ خولی کی انی پر
تف دہر پہ اور خاک ہے دنیائے دنی پر

انیس

۳۵۔ نیرنگیِ عالم

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں | وہ گل ہی یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہی یہ دوست مروّت نہیں جس میں | وہ شہد ہی یہ شہد حلاوت نہیں جس میں

بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علم و تاج — نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں ان کے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنہیں باج — وہ قبروں میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور — دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور — ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام — گہہ غم، کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ(رض) زہرا کا گل اندام
واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام — انیس

۳۶۔ عبرت

اب خواب سے چونکو وقت بیداری ہے — لے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
مرمر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک — یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے

اک روز جہان سے جانا کھونا ہو گا
گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہو گا
بالش سے سروکار نہ بستر سے غرض
اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہو گا

آغوش لحد میں جب کہ سونا ہو گا
جز خاک کے تکیہ نہ بچھونا ہو گا
تنہائی میں آہ کون ہوئے گا انیسؔ
ہم ہوئینگے اور قبر کا کونا ہو گا

غافل تجھے کیوں خواہش دنیائے دنی ہے
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
سوتے ہیں تہ خاک گلے میں کفنی ہے

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر اک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

انیسؔ

۳۷- پپیہے

وہی تان پھر سنا دے مرے خوشنوا پپیہے
مرے دلربا پپیہے مرے خوش ادا پپیہے

اسی دردمند دل سے اسی صوت مضمحل سے
ترے عشق کے تصدق وہی راگ گا پپیہے

مری نیند اُچھٹ گئی ہے تری صوت جانفزا سے
دلِ مضطرب ہی بے کل اسے تو سلا پپیہے

یہ گھٹائیں کالی کالی یہ ہوا کے سرد جھونکے
کوئی تان اونچے سر میں وہی پھر لگا پپیہے

تجھے روئے گل دکھادوں تجھے شہ سے ملادوں
تری بے کلی کا آخر ہے علاج کیا پپیہے

یہ غضب کی آہ وزاری یہ بلا کی بیقراری
تجھے کس کا ہے تصور ہمیں کچھ بتا پپیہے

مرواں

۳۸- پی

پپیہے او پپیہے، تو یہ کیوں آنسو بہاتا ہے
زباں پر تیری پی پی کس لئے رہ رہ کر آتا ہے

صدائے دردِ غم کیوں دردمندوں کو سناتا ہے
جو خود ہی جل رہا ہو اور کیوں اس کو جلاتا ہے

کالوں توری چونچ پپیہے ڈالوں وا پہ لون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کے سو کون

شمیم زلفِ عنبر بیز پھیلاتا ہے کیوں ظالم
تجھے افشائے رازِ دوستاں بھاتا ہے کیوں ظالم

مرے آگے ترانہ عشق کا گاتا ہی کیوں ظالم
کسی کا نام لے لے کر یہ چلّاتا ہی کیوں ظالم

کالوٹں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ لون
میں پیو کی، اور پیو مورا، لو تو پی کہے سو کون

غمِ آرام جاں ہیں اور بے آرام کرتا ہے
رموزِ خاصِ عشق و عاشقی کیوں عام کرتا ہے
سرِ بازار نامِ یار کیوں بدنام کرتا ہے
کسی کے راز کیوں کمبخت طشت از بام کرتا ہے

کالوٹں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ لون
میں پیو کی، اور پیو مورا، لو تو پی کہے سو کون

اندھیری رات میں سوتوں کو چونکا وے نہ چلّا کر
برنگ بوئے گل نا واں جا سے نہ ہو باہر
اری ننھی سی چڑیا جان ننھی سی زباں گز بھر
چڑھا وے گا کوئی منصور کی مانند سولی پر

کالوٹں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ لون
میں پیو کی اور پیو میرا تو پی کہے سو کون

امجد

۳۹۔۔ بلبل

وید گل کے تجھے پڑ جائیں گے لالے بلبل
پڑ گئی جب کسی صیاد کے پالے بلبل
کان کھولے ہوئے گل گوش بر آواز ہی آج
درد دل جو تجھے کہنا ہو سنا لے بلبل
پھر وہی کنج قفس ہی وہی صیاد کا گھر
چار دن اور ہوا باغ کی کھا لے بلبل

دام میں پھنس کے نکلنا ترا ناممکن ہے — تا بہ مقدور پر و بال ہلائے بلبل
پہلے گلشن کی ہوا دیکھ لے رہ کر جنیے — آشیاں کی تو ابھی طرح نہ ڈالے بلبل
مانگ خالق سے دعا بعد بقائے گل کی — پہلے صیاد سے خیر اپنی منالے بلبل
دست انداز نہ ہو گل پہ ابھی اے گلچیں — صبر کر صبر ذرا باغ سے جائے بلبل
کسی غنچہ کو چھوا اور نہ کوئی گل توڑا — گھورتی کیوں ہی مجھے آنکھ نکالے بلبل
نہ رہی بوئے وفا ایک بھی گل میں باقی — اب تو اس باغ سے اللہ اٹھالے بلبل
نہ رہے گل ہی گلستاں میں جو تھے رتبہ شناس — اڑ گئے سب ترے پہچاننے والے بلبل
کس طرف جائیگی برداشتہ خاطر ہو کر — باغ کیوں کرتی ہی گلچیں کے حوالے بلبل

دم بدم سینۂ سوزاں سے نہ کر نالۂ گرم
پڑ نہ جائیں تری منقار میں چھالے بلبل

رقلی

بلبل

واہ کیا خوب پر و بال نکالے بلبل — اڑتے ہی پڑ گئی صیاد کے پالے بلبل
تو گرفتار ہے صیاد کا سمجھے تو مزاج — تھوڑی تھوڑی ابھی آواز نکالے بلبل
خوش بیانی ہی تری سارے چمن میں مشہور — کچھ تو صیاد کو باتوں میں لگالے بلبل
دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں — ہو بلا ایک تو سر سے اسے ٹالے بلبل

پھول گلشن میں نہ آئے تھے کہ صیاد آیا
دل کے ارمان کہو خاک نکالے بلبل

امیرؔ

۴۱۔ وداعِ بلبل

کہو بلبل کو لیجائے چمن سے آشیاں اپنا
پڑھے گر صد ہزار افسوں نہ ہوگا باغباں اپنا
ہوئی جب باغ سے رخصت کہا رو کے یہ باتیں
لکھا تھا یوں کہ فصلِ گل میں چھوڑوں آشیاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کٹتی
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا
نہ تو نے گل کیا اپنا نہ بلبل باغباں اپنا
چمن میں کس بھروسے پر بنایا آشیاں اپنا

علی گوہر

۴۲۔۔۔ بلبلِ اسیر

چھائی قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ رشکِ باغ
جوشِ بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

مجھ کو نہ دے ہمصفیر مژدۂ فصلِ بہار
آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار
یاد ہیں وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں
آہ وہ طرفِ چمن اور وہ سرِ شاخسار

لو زکا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا — آئی نسیمِ سحر باغ میں مستانہ وار
یوں وہن غنچہ سے، قطرۂ شبنم گرے — دودھ اگلنے لگے جیسے کوئی شیر خوار
آئی کسی شاخ سے، ایسی سریلی صدا — جیسے بجائے کہیں، بین کوئی بین کار
بھیرویں اڑنے لگی باغ میں چاروں طرف — تانے اڑانے لگی اونچے سروں میں ہزار
مرغِ چمن اڑ کے سب نغمہ سرا جس طرح — کوک دے ارگن کوئی اور الاپے بہار
تجھ سے کہاں تک کہوں قصۂ دور و دراز — ہم اسی حیرت میں تھے اتنے میں اک دام دار
لے کے کوئی دام سخت، آ گیا گلزار میں — ہم جو ہیں اُڑنے لگے ہو گئے اُس کی شکار
آہ وہ آزادیاں راس نہ آئیں، ہمیں — عہدِ مسرت مگر ہم سے نہ تھا استوار
اس کو ہوئیں مدتیں ہم ہیں اسیرِ قفس — اب ہیں نہ وہ چہچہے اور نہ وہ باغ و بہار
سامنے ہی یہ قفس اور یہی تیلیاں — ہے یہی آب و ہوا اور یہی لیل و نہار
قید میں گزری ہی عمر چھوٹنے سی یاس ہے — مرگ کی ہے آرزو موت کا ہی انتظار
آہ کہ طبعِ چمن ہم سے موافق نہ تھی — آہ مزاجِ بہار ہم سے نہ تھا سازدار

حالتِ مرغِ اسیر تجھ سے کہوں کیا جگر
دیدۂ عبرت سے ہوں اشک رواں بار بار

مرزا

۳۴۔ فغان بلبل

جہاں گیا میں گیا دام لے کے واں صیاد
پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیاد

دکھایا کنج قفس مجھ کو آب و دانہ نے
وگرنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد

اجاڑا موسم گل ہی میں آشیاں میرا
الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد

چمن میں رکھا نہ بلبل کا نام تک باقی
خدا کرے یونہیں ہو جائے بے نشاں صیاد

قفس کو شام سے لٹکا کے فرش خواب کے پاس
سنا کیا مری تا صبح داستاں صیاد

کریگا یاد مرے زمزموں کو بعد مرے
ہوں چند روز ترے گھر میں میہماں صیاد

دکھائے گا نہ اگر سیر بوستاں صیاد
پھڑک پھڑک کی قفس ہی میں دونگا جاں صیاد

رہے نہ ناقابل پرواز بال و پر میرے
قفس سے اڑ کے میں اب جاؤنگا کہاں صیاد

پروں کو کھول دے ظالم جو بند کرتا ہے
قفس کو لے کے میں اڑ جاؤنگا کہاں صیاد

میں جھانکتا نہیں چاک قفس سے بھی گل کو
نہ ہوئے تا مری جانب سے بدگماں صیاد

ہزار مرغ خوش الحاں چہکتے ہیں ہر سو
بہ از چمن ہوا اب تو ترا مکاں صیاد

ستم زیادہ نہ کر حکم دے رہائی کا
پکارتے ہیں گرفتار الاماں صیاد

رنگ

۳۴۔ بلبل و صیّاد

جسے کہ یاد نہ ہو اپنا آشیاں صیّاد — بھلا وہ خاک کہے حالِ بوستاں صیّاد
عبث عبث تو نہ ہو مجھ سے بدگماں صیّاد — کھلی ہے کنجِ قفس میں مری زباں صیّاد
میں ماجرائے چمن کیا کروں بیاں صیّاد

خراب تھا مرے ہمراہ سایہ ساں صیّاد — چمن میں تھا کبھی بن میں رواں دواں صیّاد
غرضکہ ساتھ ہی پہنچا جہاں تہاں صیّاد — جہاں گیا میں گیا دام لے کے واں صیّاد
پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیّاد

کچھ اور مجھ کو شکایت نہیں یہ ہی یہ گلا — بہار کیا کہ خزاں میں چھوا نہ اک تنکا
عبث یہ او ستم ایجاد کیوں غضب توڑا — اجاڑا موسمِ گل ہی میں آشیاں میرا
الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پر آسماں صیّاد

بیاں کر نہیں سکتا جو میری حالت ہے — حواس باختہ ہوں مجھ پر اک مصیبت ہے
ابھی ہوں تازہ گرفتار زور وحشت ہے — عجیب قصہ ہے دلچسپ اک حکایت ہے
سناؤں گا گل و بلبل کی داستاں صیّاد

کلام کرتا ہے وہ دل کو جو خوش آتا ہے — حکایتِ گل و بلبل مجھے سناتا ہے
ہر ایک بات میں سو سو طرح لبھاتا ہے — اداس دیکھ کے مجھ کو چمن دکھاتا ہے
کئی برس میں ہوا ہے مزاج داں صیّاد

خدا گواہ ہے تعریف ہو نہیں سکتی — زیادہ گھر سے ہی راحت مجھے قفس میں بھی
کب اس کی ذات سے اتنی مجھے توقع تھی — عزیز رکھتا ہے کرتا ہے خاطریں میری

ملا ہے خوبیِ قسمت سے قدرداں صیاد

س خلد

۴۵۔۔ بلبل کی فریاد

صیاد نے چھڑایا جس دن سے آشیانہ — پہلو میں دل کے بدلے غم نے کیا ٹھکانا
گلزار سے نکالا قید قفس میں ڈالا — بیدرد کچھ نہ سمجھا ظالم نے کچھ نہ جانا
آزاد تھا کبھی میں دل شاد تھا کبھی میں — تھے وہ بھی دن الٰہی تھا وہ بھی اک زمانا
روتا ہوں خوں کے آنسو آتا ہے یاد جس دم — غنچوں کا مسکرانا پھولوں کا کھلکھلانا
موجِ صبا کا چلنا تھم تھم روش روش پر — شاخوں کا جھوم جانا سبزے کا لہلہانا
وہ جانفزا ہوائیں وہ دل کشا گھٹائیں — مرغانِ ہمنوا کا ساون کے گیت گانا
بارش کی وہ پھواریں برسات کی بہاریں — پتلی سی ٹہنیوں پر وہ جھولنا جھولانا
صحنِ چمن میں پھرنا وہ شب کو چاندنی میں — دل میں سرور آنا آنکھوں میں نور آنا
وہ شام کے نظارے جگنو وہ پیارے پیارے — وہ صبح کے ستارے اُن کا وہ جھلملانا

اس قید بے کسی کا کب تھا خیال مجھ کو
مل جائیں کاش واپس وہ ماہ و سال مجھ کو

بے رحم کے ستم کی گھڑیاں اُٹھا رہا ہوں — بیداد سہ رہا ہوں دکھ درد پا رہا ہوں
مجھ بے زباں کی بولی کوئی نہیں سمجھتا — ہر چند چیخ کر میں دکھڑا سنا رہا ہوں
قسمت کو رو رہا ہوں میں اور یہ ستمگر — دل میں سمجھ رہا ہے خوش ہو کے گا رہا ہوں
اک آگ سی لگی ہے یادِ وطن کی دل میں — رو رو کے آنسوؤں سے اس کو بجھا رہا ہوں

سب ہمصفیر میرے خوشیاں منا رہے ہیں
تن تن کے اڑ رہے ہیں اڑ اڑ کے گا رہے ہیں

اے کاش جا کے بیٹھوں پھر کنجِ دلنشیں میں — گاتا پھروں ترانے گلشن کی سرزمیں میں
سوزِ نہاں بجھاؤں جوئے چمن پہ جا کر — پھر جا ملوں میں اپنے یارانِ دانہ چیں میں
یہ تیلیاں قفس کی اے کاش پھونک ڈالوں — اتنا اثر تو یارب ہو آہِ آتشیں میں
اُجڑا ہوا نشیمن پھر جا بساؤں اپنا — اب کے جو تھا بنایا گلہائے یاسمن میں

کب ہو مجھے رہائی کب آشیاں میں پہنچوں
اپنے وطن کو جاؤں اپنے مکاں کو پہنچوں

محروم

۴۶۔ ماتمِ بلبل

یہ بلبل کا غم ہے نہ مضموں خیالی
ذرا دیکھ اپنے چمن کو تو مالی — نظر آ رہا ہے یہ کچھ خالی خالی

نہ پھولوں کا ہنسنا نہ بلبل کا رونا — نہ رنگیں جمالی نہ شیریں مقالی
پڑی مردہ کنجِ قفس میں ہے بلبل — وہ ہر دل پیاری وہ نازوں کی پالی
نشاں ضرب کے ہیں تنِ نازنیں پر — یہ گلچیں نے جاں اس کی کیوں ستائی
یقیناً جب اس نے گلِ تر کو توڑا — تو شیون سے اُس نے اک آندھی نکالی
یہی ہاں یہی ننھی منّی سی چڑیا — کہ گل جس نے یوں راہِ ملکِ بقا لی
نظر اس پہ رکھتی تھی جس کے مکاں تک — گئی ہے نہ جائے گا پیکِ خیالی
زمانہ میں تھا شور اس کی فغاں کا — ثناگر تھے اس کے ادانی و عالی

طیورِ چمن مرتے تھے اس کی لے پر
غرض جانِ گلزار تھی مرنے والی

بُرے وقت میں کوئی آڑے نہ آیا — کہاں تھے یہ گل کے اہالی موالی
یہ سوسن نے گونگے کا کھایا تھا کیوں گڑ — نہ کچھ بات اس نے زباں سے نکالی
یہ کہتی کہ ظالم ذرا ڈر خدا سے — یہ تھی بات سیدھی نہ طعنہ نہ گالی
رہیں مہر برلب نہ کچھ منہ سے پھوٹیں — اب ایسی بھی کلیاں نہ تھیں نی بالی
نہ سمجھو کہ ہے بے خبر اس ستم سے — خداوند قدوس کی ذاتِ عالی
ستم کا عوض لے گا اور جلدی لے گا — وہ بے کس کا وارث وہ بے بس کا والی
مگر شانِ قہرِ خداوند کے ہیں — کرشمے انوکھے ادائیں نرالی
شکنجہ میں کستا ہے وہ ڈھیل دیکر — کہیں بے پتہ اس کی شانِ جلالی

بہت جلد خوں رنگ لائے گا اس کا   نہ فریاد بلبل کی جائے گی خالی
پڑیں گے اسے اپنے جینے کے لالے
چھپے گی نہ گلچیں کے دامن کی لالی

ایک مسلمان خاتون از علی گڑھ

۷۴۔ ایک پرندے کی فریاد

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ   وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ
وہ ساتھ سب کے اڑنا وہ سیر آسماں کی   وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا مل کے گانا
پتوں کا ٹہنیوں پر وہ جھومنا خوشی میں   ٹھنڈی ہوا کے پیچھے وہ تالیاں بجانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم   شبنم کا صبح آکر پھولوں کا منہ دھلانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت   آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ
تڑپا رہی ہے مجھ کو رہ رہ کے یاد اس کی   تقدیر میں لکھا تھا پنجرے کا آشیانہ
اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں
کیا بد نصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں   ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں — میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں
باغوں میں کہنے والے خوشیاں منا رہے ہیں — میں دل جلا اکیلا دکھ میں کراہتا ہوں

آتی نہیں صدائیں ان کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

ارمان ہی یہ جی میں اڑ کر چمن کو جاؤں — ٹہنی پہ گل کے بیٹھوں آزاد ہو کے گاؤں
بیری کی شاخ پر ہو ویسا ہی پھر بسیرا — اس اجڑے گھونسلے کو پھر جا کے میں بساؤں
جگتا پھروں چمن میں دانے ذرا ذرا سے — ساتھی جو ہیں پرانے ان سے ملوں ملاؤں

پھر دن پھریں ہمارے پھر سیر ہو وطن کی
اڑتے پھریں خوشی سے کھائیں ہوا چمن کی

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے — دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے — دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے
آزاد جس نے رہ کر دن اپنے ہوں گزارے — اس کو بھلا خبر کیا یہ قید کیا بلا ہے

آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

اقبال

۴۸۔ چڑیا کی زاری

اے بدنہاد لڑکے اے نابکار لڑکے — یہ کیا کیا خدا کی تجھ پر ہو مار لڑکے
نازل غضب خدا کا تجھ پر اسی گھڑی ہو — اور موت لے کے خنجر سر پر ترے کھڑی ہو
ظالم خدا کرے تو بچپن میں جان کھوئے — میری طرح سے تیری ماں زار زار روئے
بے رحم کیا بگاڑا ان بے پروں نے تیرا — نقصان کیا کیا تھا ان بے گھروں نے تیرا
اب تک نہ تھے اُنھوں نے سفاک پر سنبھالے — میرے غریب بے پر میرے وہ بھولے بھالے
کن کن مصیبتوں سے ننھا آشیاں بنایا — لالا کے تنکا تنکا تھا گھر یہاں بنایا
وہ گھر کہیں پڑا ہے بچے کہیں پڑے ہیں — دور از مکانِ ویراں سب بے مکیں پڑے ہیں
وہ میرا گھر میں آنا۔ ان کا وہ چہچہانا — ان کا وہ لاڈ کرنا میرا وہ صدقے جانا
کن کن دکھوں سے ہائے بچوں کو میں نے پالا — پڑتا تھا وائے قسمت اُس پر جفا سی پالا

مٹی پہ ہائے ہائے بے جاں پڑے ہوئے ہیں
کس نیند میں یہ میرے نادان پڑے ہوئے ہیں

افسوس نسل انساں تجھ میں وفا نہیں ہے — کہتے ہیں اُنس جس کو تجھ میں ذرا نہیں ہے
تیغ جفا سدا ہے تیری میاں سے باہر — جور و جفا ہیں تیرے حدِ بیاں سے باہر
ہمسائیگی میں تیرے آ کر مکیں ہوئے تھے — لچھن ترے مگر ہم کچھ جانتے نہیں تھے
سختی تری ستمگر کتنی ہے بیکسوں پر — یہ جبر بے تحاشہ یہ جور بے بسوں پر

غدار بے وفائی تیری سرشت میں ہے
تیرا بھی وتیرہ دنیائے زشت میں ہے

نزدیک نسلِ انساں ہرگز کوئی نہ آئے
اپنے جگر پہ زخمِ تیغ ستم نہ کھائے

اس میل جول کا گر انجام جانتی میں
کمبخت دل کا کہنا ہرگز نہ مانتی میں

جنگل میں جا کے اپنا میں آشیاں بناتی
خطرے میں اپنی جاں کو ہرگز نہ ڈالتی میں

میں ان کو لا کھلاتی جنگل سے جا کے دانے
جب تک نہیں ہوئے تھے کمسن مرے سیانے

مجھ پر ستم ہوا ہے اے جسم و جاں کی مالک
اے دادگر زمیں کے اے آسماں کی مالک

میں بے زباں ہوں کرتی فریاد تیرے آگے
کہتی ہوں اپنے غم کی رو داد تیرے آگے

اب کس طرف کو جاؤں میں بے زبان چڑیا
میں غم کی ماری چڑیا میں خستہ جان چڑیا

محروم

۳۹۔ دورِ بہار

پھول کھلنے سے ہوا سارا چمن رشکِ جناں
بلبلوں کا اس لئے انداز کچھ مستانہ تھا

اپنی خوبی پر تھا اتراتا ہر اک غنچہ وہاں
قمریوں کا سرو سے برتاؤ بے باکانہ تھا

جھولتے گلہائے تر زربفت کے جھولوں میں تھے
جب کہ خود گلچیں بھی ان کے حسن کا دیوانہ تھا

بے خطر پھرتا تھا ہر اک طائر شیریں زباں
اور یگانہ ہوگیا جو سبزہ بیگانہ تھا

چہچہانے کی صدائیں آ رہی تھیں کان میں
اس سے بڑھ کر کیا کہوں وہ اک عجائب خانہ تھا

یک بیک جھونکا ہوائے تُند کا آیا وہاں
کچھ نہ تھا گویا کہ مدت کا وہ اک ویرانہ تھا

آشیانِ بلبلِ بے کس جو یوں درہم ہوا
زاغ کا اور بوم کا اب خاص خلوت خانہ تھا

دیکھ کر یہ حالِ دل منظور یوں گویا ہوا
جو کہ دیکھا خواب تھا اور جو سُنا افسانہ تھا

منظور

۵۰۔ کلی کی بے کلی

نسیم نے مجھے آ آ کے گدگدایا ہے — اسی سے میرے لبوں پر تبسم آیا ہے
یہ میری بو کو نہ چھوڑے گی میں سمجھتی ہوں — مرے حجاب کو توڑے گی میں سمجھتی ہوں

بنے گی ہاتھ مرے پیرہن کو کھولے گی
کلید ہو کے یہ قفل دہن کو کھولے گی

جو میں نہ ہونگی تو گلچیں مجھے نہ چھوڑے گا
وہ سلسلہ مری حبِ وطن کا توڑے گا

شجر کی شاخ نہ مجھ کو نصیب پھر ہو گی
شعاعِ مہر نہ میرے قریب پھر ہو گی

کہاں یہ رات کو تاروں کی چھاؤں میں رہنا
جگر چھیدے گا بنونگی میں ہار یا گہنا

گلے پڑوں گی میں جس کے وہ مل کے چھوڑیگا
مرے لباس کی رنگت بدل کے چھوڑیگا

جفائیں سہنے کو شاید جہاں میں آئی ہیں
ہوئی یہ چوک کہ حسن اور جان لائی ہیں

کہے یہ کون کہ اللہ سے ڈرو گلچیں
یہ بے زباں ہی نہ اس پر ستم کرو گلچیں

وہ کیا سنے گا اسے کوڑیوں کا لالچ ہے
طمع ہے سخت بری چیز شوق یہ سچ ہے

شوق قدوائی

۵۱۔ پھول کی فریاد

کیا خطا میری تھی ظالم تو نے کیوں توڑا مجھے
کیوں نہ میری عمر ہی تک شاخ میں چھوڑا مجھے

جانتا گر اس ہنسی کے دردناک انجام کو
میں ہوا کے گدگدانے سے نہ ہنستا نام کو

شاخ نے آغوش میں کس لطف سے پالا مجھے
تو نے ملنے کے لئے بستر پہ لا ڈالا مجھے

میری خوشبو سے لبائے گا بچھونا رات بھر
صبح ہوگی تو مجھے تو پھینک دے گا خاک پر

پتیاں اڑتی پھریں گی منتشر ہو جائیں گی
رفتہ رفتہ خاک میں مل جائیں گی کھو جائیں گی

تو نے میری جان لی دم بھر کی زینت کیلئے
کی جفا مجھ پر فقط تھوڑی سی فرحت کیلئے

دیکھ میرے رنگ کی حالت بدل جانے پہ ہے
پتی پتی ہو چلی ہے اب مرجھانے پہ ہے

پیڑ کے وہ سبز پتے رنگ میرا اُن میں لال
جس طرح کا ہی دوپٹے میں کسی گلرو کے گال

جس کی رونق تھا میں بے رونق وہ ڈالی ہو گئی
حیف ہے بچے سے ماں کی گود خالی ہو گئی

تتلیاں بے چین ہونگی جب نہ مجھ کو پائیں گی
غم سے بھونرے روئیں گے اور بلبلیں چلائیں گی

دودھ شبنم نے پلایا تھا ملا وہ خاک میں
کیا خبر تھی یہ کہ ہے بے رحم گلچیں تاک میں

مہر کہتا ہے مری کرنوں کی سب محنت گئی
ماہ کو غم ہے کہ میری دی ہوئی رنگت گئی

دیدۂ حیراں ہے کیاری باغباں کے دل پہ داغ
شاخ روتی ہے کہ ہے گُل ہوا میرا چراغ

میں بھی فانی تو بھی فانی سب ہیں فانی دہر میں
اِک قیامت ہے مگر مرگِ جوانی دہر میں

شوقؔ کیا کہتے ہیں تو سُن لے سمجھ لے مان لے
دل کسی کا توڑنا اچھا نہیں تو جان لے

شوقؔ قدوائی

۵۲۔ ختم بہار

ختم کیا صبا نے رقص، گُل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا، صوت ہزار ہو چکی

رنگ بنفشہ مٹ گیا، سنبل تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستی لالہ اب کہاں، اس کا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گزر گیا آمدِ یار ہو چکی

رت وہ جو تھی بدل گئی آئی بس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشکِ تتار ہو چکی

اب تک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بے خبر
کہہ دے کوئی عزیز من فصلِ بہار ہو چکی

اکبر

۵۳ - دورِ خزاں

باغ دلّی میں جو اک روز ہوا میرا گزار
نہ وہ گل ہی نظر آیا نہ وہ گلشن نہ بہار

نخل بے بار پڑے سوکھی پڑی ہیں روشیں
خاک اڑتی ہے ہر اک طرف پڑے ہیں خس و خار

مسکراتا تھا جہاں غنچہ و گل ہنستا تھا
اشک شبنم نے کبھی قطرے کا نہیں ڈالا آثار

جس جگہ جلوہ نما ہوتے تھے سرو و شمشاد
منتِ پرِ قمری کے اک جا نظر آئے یکبار

دیکھتا کیا ہوں مگر سوکھی سی اک شاخ اوپر
عندلیب ایک ہے بے بال و پر و دل افگار

بدمِ سرد و بصد حسرت و صد سوزِ جگر
دیکھ کر سوئے چمن کہتی تھی با نالۂ زار

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

سودا

۵۴. موسم سرما کا آخری گلاب

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول
اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن میں پھول
بیکس غریب فرقتِ احباب میں ملول
دھندلا سا اک چراغِ شبِ انجمن میں پھول

ہے کوئی غمگسار نہ ہمدم کوئی قریں
بچپن کے آشنا ہیں نہ وہ خانداں کے پھول
رخصت ہوئے چمن سے رفیقانِ ہمنشیں
بکھرے پڑے ہیں خاک پہ اب گلستاں کے پھول

ننھی سی آہ کوئی کلی بھی نہیں قریب
ڈالے جو عکس پھول سے رخ کا غریب پر
کچھ دردِ دل کا حال کہے جس سے غم نصیب
جو اس کی آہِ سرد کو سُن کر ہو نوحہ گر

کملا نے دوں گا تجھ کو میں تنہا نہ شاخ پر
ڈر ہے نہ کنج میں تری مٹی خراب ہو
احباب سو رہے ہیں جہاں تیرے بے خبر
جا تو بھی اُن کے ساتھ ہم آغوشِ خواب ہو

کب تک زباں پہ فرقتِ احباب کا گلا
اب تیری پتیاں میں بچھاتا ہوں خاک پر
ہیں محوِ خوابِ مرگ جہاں تیرے آشنا
تجھ کو بھی ان کے ساتھ سلاتا ہوں خاک پر

رخصت سفر اٹھاؤنگا میں بھی جہاں سے جلد — احباب مجھ سے جب مرے ہو جائینگے جدا
چھوڑوں گا مر کے ہجر کے درد نہاں سے جلد — تنہا کوئی جہاں میں جیا بھی تو کیا جیا

کیا لے کے آہ کوئی گیا عمر جاوداں — مسلکِ وفا میں جب نہ رہے وہ آبدار
یاران رفتہ کا ہے زیارتکدہ جہاں — میری بھی بے کسی کا بنے گا وہی مزار

جب اٹھ گئے جہاں سے یارانِ زندہ دل — جی کر غم فراق کے صدمے سہے گا کون
کڑیاں تری اٹھانے کو اے درد جاں گسل — اس غم کدے میں آہ اکیلا رہے گا کون

سرورؔ

۵۵۔ سیل زمانہ

مگر او سیل حادثہ — خدارا صبر کر ذرا
یہ دیکھ سامنے ہے کیا — جزیرہ ایک خوش نما
ہری بھری یہ ڈالیاں — لالہ و گل کی لالیاں
یہ نہریں اور نالیاں — یہ لطفِ زندگی ہیں کیا
وہ دیکھ چند مہ جبیں — حسین اور نازنین
لیے ستار اور بیں — بلا رہے ہیں مجھ کو آ

زمیں یہ دیکھ لینے دے   یہ گانے سن تو لینے دے
ذرا سا دم تو لینے دے
مگر سُنے تری بلا

یہ سامنے ہیں جو عیاں   مٹے ہوئے ہیں نشاں
یہ دارا یہ نوشیرواں   ہیں اب یہ سب کی سب فنا
وہ رومیوں کی عز و شاں   وہ جام جم کی داستاں
حجازیوں کے وہ نشاں   وہ ہند و چین کی خوبیاں
وہ پہلوانِ نامور   وہ خسروانِ تاجور
وہ اہلِ علم با ہنر   وہ دینِ حق کے راہبر
گئے یہ سب سب گئے گزر
مگر رہی تجھے بقا

بہائے جا اُڑائے جا   ڈوبائے جا مٹائے جا
قسم ہے تجھ کو اپنی ہی   یہی روش نبھائے جا   ناشاد

۵۶۔ مثالِ زندگی

تارا فلک سے جیسے گرے کوئی ٹوٹ کر
اور گرتے ہی نظر سے ہو غائب زمین پر

یا جیسے گرم سرعتِ پرواز ہو عقاب
یا موسم بہار کا اٹھتا ہوا شباب

یا جیسے گل پہ صبح کو شبنم ہو قطرہ ریز
یا جیسے بادِ تند ہو طوفاں میں موج خیز

یا جیسے سطحِ آب پر اُبھرے کوئی حباب
یونہی بشر ہے دہر میں تصویرِ انقلاب

آیا ادہر نسیم کا جھونکا ادھر نہ تھا
پانی میں بلبلا ادھر اُبھرا اُدھر نہ تھا

شبنم اڑی نظر جو پڑی آفتاب کی
پرواز تھی نہ چشم زدن میں عقاب کی

آئی خزاں تو موسمِ گل کا نشاں نہ تھا
تارا گرا تو گر کے تجلّی فشاں نہ تھا

آئی قضا نمود وجودِ بشر نہ تھی
تھی اِک طلسم ہستی بود بشر نہ تھی

شاؔد بجواڑیہ

۵۷۔ ہم چلے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے — میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم — سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی — کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہی آج جس کے لئے — ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ — سو تم ہم سے منہ ہی چھپا کر چلے
دکھائی دیئے یوں کہ بیخود کیا — ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں — چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے — ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے؟

میر

۵۸۔ میرے بعد

منہ پہ رکھ دامنِ گل روئینگے مرغانِ چمن — باغ میں خاک اڑائیگی صبا میرے بعد
جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارے — یاد آئیگی تجھے میری وفا میرے بعد

جا کے کہہ دیوے کوئی خاںؔ کی زبانی آتنی
اب نہیں آتے ہو پھر آؤ گے کیا میرے بعد

خان

۵۹۔ میرے بعد

میری وحشت کا جو کچھ حال سنا میرے بعد
ہو گیا جوش جنوں حد سے سوا میرے بعد
سونا جنگل جو نظر اُس کو پڑا میرے بعد
آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

باغِ عالم میں وہ بلبل ہوں کہ ہوں جانِ چمن
میں نہ ہونگا تو نہ ہو گا کوئی خواہانِ چمن
پھاڑ ڈالیں گے گریباں کو جوانانِ چمن
منہ پہ رکھ دامنِ گل روئیں گے مرغانِ چمن
ہر روش خاک اڑائیگی صبا میرے بعد

میں ہی دیوانہ اکیلا نہیں صحرا میں ہوں
بعد میرے ابھی ہوئینگے بہت سے مجنوں
کتنے تلوؤں کا ابھی تجھ کو بہانا ہے خوں
تیز رکھنا سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

سنسناہٹ سی اک اٹھتی ہی بدن میں ہر صبح
جان آ جاتی ہے گویا مرے تن میں ہر صبح
آہ بھر کے یہی کہتا ہوں کفن میں ہر صبح
وہ ہوا خواہ چمن ہوں کہ چمن میں ہر صبح
پہلے میں جاتا تھا اور بادِ صبا میرے بعد

مر گیا جب کہ امانت تو پھر کچھ تقدیر　　غم ہوا اس کو بہت ہو گئی حالت تغیر
جیتے جی تو نہ خبر لی نہ ذرا کی تدبیر　　بعد مرنے کے مری قبر پر آیا وہ میر
یاد آئی میرے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

امانت

۶۰۔ دم واپسیں

آہ کیسا ہے وقت درد انگیز　　کیا نظارہ ہے یہ رقت خیز
اُف ہے کیا یہ دلخراش سماں　　عالم نزع میں ہے ایک جواں
اک طرف دوست آشنا ہیں کھڑے　　اک طرف غم میں اقربا ہیں کھڑے
اک عجب خامشی کا عالم ہے　　جس کو دیکھو وہ چشم پر نم ہے
کوئی فکر دوا میں ہی مصروف　　کوئی دل سے دعا میں ہی مصروف
سرنگوں اک طرف طبیب کھڑے
سب ہیں بیمار کے قریب کھڑے
آہ اب اس مریض کی حالت　　ہو گئی اور بھی ردی حالت
رخ کی رنگت بھی اب بدلنے لگی　　نبض بھی اب تو سست چلنے لگی
اور حالت بگڑ گئی دیکھو　　سانس بھی اب اُکھڑ گئی دیکھو
کھلتی ہے اب زباں بھی وقت سے　　دیکھو آنکھیں بھی لگ گئیں چھت سے

ایک بچی بھی ہے قریب کھڑی　　متحیر وہ بدنصیب کھڑی
دیکھ کر سب کی منہ پہ رنج و ملال　　کچھ نہ سمجھی کہ کیا ہی باپ کا حال

دیکھا جب سب کو چپ کھڑے ہیں اداس
دوڑی اندر گئی وہ ماں کے پاس

غمزدہ ماں بھی سر جھکائے ہوئے　　اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے
کیسی حالت بنائے بیٹھی ہے　　لو خدا سے لگائے بیٹھی ہے
آہ معصوم بچی نے جا کر　　کر دیا ماں کا اور ٹکڑے جگر
گود میں جا کے پہلے بیٹھ گئی　　پھر لپٹ کر گلے سے یہ بولی
آپ چپ چاپ کیوں ہیں بیٹھی یہاں　　کس لئے رو رہی ہیں یا ماں جاں
ابا کمرے میں چپ پڑے ہیں کیوں　　لوگ گھیرے ہوئے کھڑے ہیں کیوں
اور بھی لوگ آتے جاتے ہیں　　میرے ابا کو کیوں ستاتے ہیں
چل کے کمرے میں سب کو منع کر دو　　نیند آتی ہے شاید ابا کو
اُس کی اِن بھولی بھالی باتوں نے　　ق　　دل ہلا دینے والی باتوں نے
کیا کیا ہائے ماں کے دل پہ اثر　　کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے جگر
دل میں سمجھی کہ اب ہی حالت غیر　　چیخ اٹھی کہ ہو یا الٰہی خیر

حالت اب کیا کروں رقم آگے
اب تو چلتا نہیں قلم آگے

نجم

۶۱۔ پیام مرگ

جس پہ دنیا کی دوا اور دعا صرف ہوئی — اُس کی صحت کا نہ پہلو کسی عنواں نکلا
سو، تقدیر سے تدبیر بگڑتی ہی گئی — جس کو کہتے تھے مرض موت کا ساماں نکلا
تپ وہ تپ حلق میں پیدا نہیں جس تپ کی دوا — درد وہ درد نہ جس درد کا درماں نکلا
دل شکن حوصلہ فرسا تھا وہ ہنگام کہ جب — دیکھ کر نبض مسیحا بھی پریشاں نکلا

بے بسی چارہ گروں کی تھی عجب درد فزا
آس سے یاس ہوئی یاس سے حرماں نکلا

بسترِ خاکِ لحد پر تو ملی چین کی نیند — تجھ پہ قربان۔ کہو اب تو یہ ارماں نکلا
خوابِ راحت سے اٹھو آؤ کوئی بات کرو — کہو کیا ماحصل ہستیٔ امکاں نکلا
راز کچھ عالمِ بالا کے بھی معلوم ہوئے — کچھ پتہ ہستیٔ مابعد کا اے جاں نکلا
دیکھو سو مرتبہ تاراجِ خزاں ہو ہو کر — پھول پھر نکلے ہیں پھر سبزۂ بستاں نکلا

تم کہاں جا کے چھپے ہو کہ نکلتے ہی نہیں
چھپ کے سو مرتبہ پھر مہرِ درخشاں نکلا

اعجاز

۶۲۔ انجامِ غم

دن رات کی یہ بے چینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار بُرے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

کیوں پست ہوئی ہی ہمت دل کیوں روک رہی ہی مایوسی
کوشش تو ہم اپنی سی کر لیں، ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

دنیا کے لئے ہنگامے تھے خلق ایک طرف آپ ایکطرف
اب شہر خموشاں عالم ہو، مٹی ہے لحد کا سونا ہے

اکبر

۶۳۔ جنازہ پسر

کدھر چلے ہو لختِ جگر کو لے کے عزیز
کہاں یہ دفن کی اس نوجوان کی ہی تجویز
کسی کو بھی نہیں افسوس نیک و بد کی تمیز
ملانے خاک میں جاتا ہے کوئی ایسی چیز

گئی جو ہاتھ سے نعمت تو قدرِ نعمت کیا
مگر خود اس کے مٹانے میں ایسی عجلت کیا

تھمو تھمو کہ اس اجڑے مکاں کا تھا یہ چراغ
بہار پر تھا اسی نونہال سے یہ باغ
نہ ہوگا اب مجھے حاصل کبھی جہاں میں فراغ
تمام عمر دل ناتواں ہے اور یہ داغ

فغانِ بلبلِ جاں دل کے پار ہوتی ہے
نظرؔ کے باغ سے رخصت بہار ہوتی ہے

اُسی کی ذات سے تھی بزمِ آرزو روشن — یہی تھا اپنے چراغ اُمید میں روغن
اسی سے خانۂ دل میں تھا جلوۂ ایمن — یہی جمال تھا اس آئینہ میں عکس فگن

اسی کے نور کی لو قلب کے چراغ میں تھی
یہی تھی موج یہی راح اس ایاغ میں تھی

ہزار ناز سے اس لختِ دل کو پالا تھا — کبھی نہ دھوپ میں باہر اسے نکالا تھا
اسی سے خانۂ تاریک میں اجالا تھا — قمر تھا یہ تو نظرؔ اس قمر کا ہالا تھا

مجھے بھی دفن کرو اس کے ساتھ تربت میں
یہ کس طرح سے اکیلا رہے گا غربت میں

نظرؔ

۶۴۔ نوحۂ برادر

وہ برادر کہ مرا یوسفِ کنعانی تھا — وہ کہ مجموعۂ ہر خوبیٔ انسانی تھا
وہ کہ گھر بھر کے لئے رحمتِ یزدانی تھا — قوتِ دست و دلِ شبلیٔ نعمانی تھا

جوش اسی کا تھا جو میرے سرِ پرشور میں تھا
بل اسی کا یہ میرے خامۂ پرزور میں تھا

ہم سے بیکاروں میں اک قوتِ عامل تھا وہی — پایۂ عزتِ اجداد کا حامل تھا وہی
مسندِ والدِ مرحوم کے قابل تھا وہی — یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی

اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں
ہائے افسوس میں اسحاق کہاں سے لاؤں

جب کیا والدِ مرحوم نے دنیا سے سفر — گھر کا گھر تھا ہدفِ ناوکِ صد گونہ خطر
بن گیا آپ اکیلا وہ ہر آفت کی سپر — تیر جو آئے، گیا آپ وہ اُن کی زد پر

خود گرفتار رہا تاکہ میں آزاد رہوں
اُس نے غم اس لئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں

اس کو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا — وہ گرفتارِ کمندِ ہوسِ خام نہ تھا
اس کی ہر بات میں اک لطف تھا ابرام نہ تھا — وہ کبھی مدعیٔ رہبریٔ عام نہ تھا

اس کو مطلوب کبھی گرمیٔ بازار نہ تھی
اس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

اس کے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دل میں ہر بار — وہ شکر ریز تبسم وہ ادا ہائے وقار
وہ وفا کیشیٔ احباب وہ مردانہ شعار — وہ دل آویزیٔ خو، وہ نگہِ الفتِ یار

صحبتِ رنج بھی اک لطف سا ہی کٹ جاتی ہے
اس کی ابرو پہ شکن آ کے پلٹ جاتی تھی

آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھ کو تمیز — تیری نظروں میں برابر ہیں گہر اور پشیز
میں تو مانا ترے نزدیک نہ تھا وہ کوئی چیز — رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کئی اس نے عزیز

لاڈلے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
اس کے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں

اے خدا شبلیِؔ دل خستہ بایں موئے سفید — لے کے آیا ہے تری درگہ عالی میں امید
مرنے والے کو نجات ابدی کی ہو نوید — خوش و خرم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ جنید

کیا لکھوں قصۂ غم تاب رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامۂ پرزور میں دم بھی تو نہیں

شبلیؔ

۶۵۔ نوحۂ دوست

روز و شب رویا کئے شام و سحر رویا کئے — رونے والے تیرے تجھ کو عمر بھر رویا کئے
کچھ خبر ہے تجھ کو اے آسودۂ خوابِ لحد — شب جو تیری یاد میں ہم تا سحر رویا کئے
تیرے جیتے جی نہ جانی قدر تیری اے عزیز — اپنی اس تقصیر پر ہم کس قدر رویا کئے
جانِ محزون و دلِ پرغم کی حالت کیا کہوں — یاد کچھ کر کر کے جو باہمگر رویا کئے

برقؔ کے مرنے کا حسرتؔ واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

حسرتؔ

۶۶۔ بِن ماں کی بچّی

تھی اک پیاری اور ننھی منی سی بچی — بہت اپنے ماں باپ کی لاڈلی تھی

مگر اس کی قسمت کا لکھا بُرا تھا — کہ بچپن ہی میں ماں سے چھٹنا بدا تھا

بہت رنج تھا اس کو چھٹنے کا ماں سے — اترتا نہ تھا نام ماں کا زباں سے

مگر باپ کرتا تھا یوں اس کی تسکیں — کہ بیمار اماں تیری ہو گئی تھیں

انھیں اک حکیم اپنے گھر لے گیا ہے — علاج اُن کا کوشش سے وہ کر رہا ہے

جب آرام ہو گا چلی آئیں گی وہ — بہت جلد پھر تم سے مل جائیں گی وہ

وہ بچی جو بالکل ابھی ناسمجھ تھی — بھلا اس کو اس بات کی کیا سمجھ تھی

سدا پوچھتی اپنے ابا سے رو کر — مری اماں آئیں گی کب اچھی ہو کر

نہیں بھیجتے ہیں حکیم اُن کو اب تک — بتاؤ رہیں گی وہ گھر اُن کے کب تک

مجھے لے چلو وہ تو آتی نہیں ہیں — جہاں میری اماں ہیں جاؤں وہیں میں

تھا رونے سے اُس کے پریشان گھر بھر — کہ اتنے میں اک دانا بی بی نے آ کر

کہا تم اگر میری اک بات مانو — اور اُس کو نہ ہرگز خرافات جانو

تو رونا یہ لڑکی کا جاتا رہے گا — خدا خود بخود صبر بچی کو دے گا

اسے ماں کی تربت کی مٹی چٹاؤ — تو رونے کی پھر یہ نہیں آزماؤ

کہا سب نے یہ بھی بھلا کر کے دیکھو — کہ شاید اسی سے اُسے فائدہ ہو

بلا کر کہا اُس کے ابا نے اس کو
چلو اپنی اماں کا گھر دیکھ آؤ

یہ سُن کر خوشی سے نہ پھولی سمائی — اسی وقت وہ قبر پہ ماں کے آئی
وہاں جا کے سنسان ویران پایا — نظر اُس کو گھر کا نشاں تک نہ آیا
جو دیکھا تو ہیں ڈھیر مٹی کے ہر جا — نہ اماں تھی واں اور نہ اماں کا گھر تھا
لگی کہنے ابا سے حیران ہو کر — یہاں تو نہیں ہے بنا کوئی بھی گھر

کہا باپ نے تم نہ حیران ہو اب — وہ ہی چار دیواری اس میں چلو اب
گئی جب وہ اس میں تو اک قبر دیکھی — جو گملوں سے اور پھولوں سے سج رہی تھی

کہا باپ نے رکھ کے ہاتھ اس پہ اپنا
کہ اماں تری اس میں سوتی ہے بیٹا

سُنا جب یہ لڑکی نے بے چین ہو کر — لگی ڈھونڈنے اس میں دروازہ رو کر
ملا جب نہ رستہ تو بولی یہ رو کر — مری اماں بیٹھی ہیں کیوں بند ہو کر
کہا باپ نے پیاری اس میں نہ جانا — جو کہنا ہے باہر ہی سے کہہ سنانا
نہیں میری پیاری کوئی اس میں جانا — نہیں کوئی سوتوں کو بیٹی جگاتا

یہ سن کر وہ بے تاب اس طرح بولی
جگاتی ہوں میں دیکھوں اماں کو اپنی

یہ کہہ کر پکاری اُٹھو پیاری اماں — مرے ساتھ گھر کو چلو پیاری اماں

یہ ہے کوٹھری کیسی سوتی ہو جس میں — نہ دروازہ ہے اور نہ کھڑکی ہی اس میں
میں کیونکر بھلا اس میں آؤں بتاؤ — تمہیں پیاری اماں مرے پاس آؤ
ذرا کوٹھری سے نکل آؤ باہر — لگا لو گلے سے مجھے اپنے آ کر
ہو روٹھی تو من جاؤ اب پیاری اماں — خطائیں مری بخشو سب پیاری اماں
ستاؤں گی میں اور نہ شوخی کروں گی — کہو گی جو تم اب میں وہ ہی کرونگی
میں مانوں گی کہنا تمہارا تم آؤ — بس اب پیاری اماں نہ مجھ کو رلاؤ
مجھے عید کے کپڑے تم آکے سی دو — مرے سر کو دھو دو مرے بال گوندھو
بہت دیر سے دیکھو میں یاں کھڑی ہوں — مناتے مناتے تمہیں تھک گئی ہوں
میں گڑیوں سے بھی اب نہیں کھیلتی ہوں — بہت روتی ہوں جب انہیں دیکھتی ہوں
جو تم ہوتیں گڑیوں کے کپڑے بناتیں — کھلونے بہت اچھے اچھے منگاتیں

نہ آتی ہو باہر نہ کچھ بولتی ہو
کہو اتنی تم کیوں خفا ہو رہی ہو

کھڑا باپ تھا پاس خاموش اس کے — مگر دل ہوا جاتا تھا غم سے ٹکڑے
پھر آخر کو اس طرح بیٹی سے بولا — کہ کہنا تھا جو کہہ چکی ہو وہ بیٹا
نہیں بولتیں تم سے اماں تمہاری — چلو اب تمہیں لے چلوں گھر کو پیاری
بس اب اپنی اماں کو تم بھول جاؤ — مرا کہنا مانو مرے ساتھ آؤ
وہ بولی کہ گھر کو نہ جاؤں گی ابا — میں اماں کو اپنی مناؤں گی ابا

انھیں چھوڑ کر میں نہ جاؤں گی گھر کو   وہ بولیں گی آیا ذرا دیر ٹھیرو
تھی امید بچی کو آنے کی ماں کے   سرکتی نہ تھی اس لئے وہ وہاں سے
وہ رو رو کے آخر کو مایوس ہو کے   چلی آئی گھر ساتھ آیا کے اپنے
خدا بچے کو دکھ نہ ماں کو دکھائے   نہ بچے ہی سے اُس کی ماں کو چھڑائے

مبارک ہوں ماؤں کی گودوں کو بچے
سدا ماؤں کی گود اللہ رکھے

محمدی بیگم مرحومہ

۶۷۔ صبر

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی   قائم تھیں جن کے دم سے امیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی   ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی

محروم جب وہ گل ہوئے رنگ حیات سے
اُن کو ملا کے خاک کیا اپنے ہاتھ سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال   ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال   خود دل سے درد ہجر کا مٹتا گیا خیال

ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ گئے اور کیا کیا

— چکبست

۶۸۔ سفر آخرت

کیا سخت گھڑی ہوگی اجل آئے گی جسدم کھینچ کھینچ کے ہر اک رگ سی نکلنے لگیگا دم
کیا دیکھیں گے ہر ایک کو حسرت سے بصد غم اتنی بھی زبان ہل نہ سکے گی کہ چلے ہم
سب کے لئے اک روز یہ تکلیف دھری ہی
اس پر بھی یہ غفلت ہی عجب بے خبری ہی

بھائی نہیں اپنے ہیں نہیں ہے پسر اپنا بیگانے ہیں سب ہوویگا جسدم سفر اپنا
نہ مال نہ اسباب نہ زیور نہ زر اپنا دو گز ہے کفن قبر کا گوشہ ہے گھر اپنا
کچھ ساتھ بجز بے کسی و یاس نہ ہو گا
رہ جائیں گے سب دور کوئی پاس نہ ہوگا

انیس

۶۹۔ قبر

آنکھوں کے آگے قبر کی تنہائی پھر گئی موتی کی اک لڑی تھی کہ آنکھوں سے گر گئی
بولی کہ یا علی یہ قیامت کا وقت ہی مرنے سے سخت قبر کی وحشت کا وقت ہی
میت پہ بعد دفن یہ آفت کا وقت ہے اس وقت وارثوں کی محبت کا وقت ہی
ہمدم نہیں رفیق نہیں مہرباں نہیں
یہ وہ جگہ ہے کوئی کسی کا جہاں نہیں

وہ اجنبی مکان وہ اندھیرا ادھر اودھر
پہلے پہل وہ بستی سے ویرانہ کا سفر
نہ شمع روشنی کیلئے نے شگاف در
ہمسایہ وہ کہ دوسرے سے ایک بیخبر
کس کو کوئی پکارے کہاں جائے کیا کرے
آسان سب پہ قبر کی مشکل خدا کرے

دبیر

۷۰۔ آخر منزل

کیا اونکو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں
خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
تاریکی مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں
پوچھے کوئی ان لوگوں سے جو زیر زمیں ہیں
مٹی کے تلے ان کو بسر ہوتی ہے کیونکر
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیونکر

آرام کے خوگر کو ہے سختی کی کہاں تاب
شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے بیخواب
تربت میں کہاں راحت و آرام کے اسباب
جز داغ جگر روشنی شمع ہے نایاب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

صحبت تھی شب و روز کی جس سے وہ کہاں پاس
ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
وہ قبر کا ڈر پرسش احوال کا وسواس
اس ملک سے دنیا میں پھر آنے کی نہیں آس

دکھلائیں نہ زرک چاروں افلاک کے نیچے
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

انیسؔ

۷۱۔ عبرت

چہکتے ہیں مرغِ چمن کیسے کیسے — کھلے ہیں گل و یاسمن کیسی کیسے
جہاں گل تھی اک خار بھی واں نہیں ہے — اجاڑے خزاں نے چمن کیسے کیسے
ذرا دیکھ عبرت سے سوتے ہیں غافل — مزاروں میں پہنے کفن کیسے کیسے
عدم جا کے ہستی کی یاد آئے گی کیا
اٹھاتے ہیں رنج و محن کیسے کیسے

نامعلوم

۷۲۔ عبرت

اے حب جاہ والو جو آج تاجور ہے — کل اس کو دیکھنا تم نے تاج ہی نہ سر ہے
اے ہم صفیر بے گل کس کو دماغ نالہ — مدت ہوئی ہماری منقار زیر پر ہے
شمع اخیر شب ہوں سن سرگزشت میری — پھر صبح ہوتے تک تو قصہ ہی مختصر ہے
اب رحم پر اسی کے موقوف ہی یہاں تو
نے اشک میں سرایت نے آہ میں اثر ہے

میرؔ

۴۳۔ ابتدائے اُلفت

ہم انہیں دیکھا کیے اور وہ ہمیں دیکھا کیے
ہائے وہ پہلی نگاہیں اجنبیت کے مزے

وہ نگاہِ شوخ کی گستاخیاں وہ جرائتیں
ہمت افزا تھوڑی تھوڑی وہ تھنبت کے مزے

شوق افزوں مانعِ عرض تمنا دابِ حسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی حالت کے مزے

وہ نہ جانا محفلِ جاناں میں بلوائے پہ بھی
وہ خیالِ امتحانِ جذبِ الفت کے مزے

ہائے آخر ہو گئی برہم مری بزمِ نشاط
چرخ کو بھائے نہ میری عیش و عشرت کے مزے

محروم

۴۴۔ مقصودِ اُلفت

کیا مرے حسنِ دلاویز پہ تو مرتا ہے
شعلہ روئی پہ مری جان فدا کرتا ہے

یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر
نگہ عشق رخِ مہرجہاں تاب پہ ڈال

حسنِ بے مثل کو جس کے نہ اجل ہے نہ زوال

کم سنی پر مری مائل ہے طبیعت تیری
حسنِ نوخیز سے وابستہ ہے الفت تیری

یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر
تری الفت کی ہے قائل رخِ زیبائے بہار

جس پہ ہر سال نیا حسن نرالا ہے نکھار

چاہتا ہے مجھے تو کیا مری دولت کیلئے
دل ہے بکل ترا ایرے زر و حشمت کیلئے

یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر
چاہیے تجھ کو کرے بحر گہر خیز سے پیار

جس کے انمول جواہر کا نہیں کوئی شمار

پیار مجھ سے ہی تجھے کیا مری الفت کیلئے
دل ہے پروانہ ترا شمع محبت کے لئے

یہ اگر سچ ہے تو کر مجھ سے محبت پیارے
بہتر از مہر و بہاراں دل شیدا میرا

بحر میں بھی نہیں، ایسا گہر مہر و وفا

نیر فلک

۷۵ عشق

عشق کے ہاتھ سے ہوئے دل ریش
جگ میں کیا بادشاہ کیا درویش

جی میرا ہو رہا ہے زیر و زبر
جب سے تیرا فراق آیا پیش

جس کو قربت ہی عشق سی تیرے
اس کے نزدیک کب عزیز ہوں خویش

اے ولی اُس کا زہر کیوں اُترے
جس نے کھایا ہے عاشقی کا نیش

ولی دکنی

۷۶. ضبطِ عشق

عشق کو ضبط کئے بیٹھے ہیں
دل میں اک درد لئے بیٹھے ہیں

زرد چہرہ ہے نگاہیں مایوس
ہونٹوں تک آتی ہیں آہیں مایوس

ظاہر کوئی نہیں ہے آزار
لاکھوں بیمار کے لیکن بیمار

اشک آنکھوں سے نہ گرنے والے
اپنے ہی حلقہ میں پھرنے والے

طبع کو شوق تلاشِ خلوت
بات کرنے میں ہر اک سے نفرت

پہروں خاموش ہی بیٹھے رہنا
سنبھلے رہنا جو کبھی کچھ کہنا

پوچھنے والے نے پوچھا جو مزاج
کر دیا کل سے تو اچھی ہیں آج

ہوش اڑنے پہ بھی اتنا ہی خیال
کہ نہ سمجھے کوئی پابندِ ملال

خود کہیں عقل کہیں ذہن کہیں
یہ تو سب کچھ ہی تصور ہے وہیں

نہیں معلوم کہاں بیٹھے ہیں
اچھے بیٹھے ہیں جہاں بیٹھے ہیں

محشر

۷۷. حالِ دل

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہونگے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے

ہم نکالیں گے سن اے موجِ ہوا بل تیرے
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے

منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کیلئے شرمندۂ احساں ہونگے

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہونگے

مومنؔ

۷۸۔ دل سے دو دو باتیں

دلِ غم نصیب محزوں
تو نحیف و زار کیوں ہے

یہی تجھ سے پوچھتا ہوں
کہ تو بے قرار کیوں ہے

تجھے اضطراب کیوں ہے

ہے عجیب تیری دھڑکن
ہے تڑپ تری نرالی

تو ہے دل مرا کہ دھڑکن
مری جان زار کھالی

نہ ہوا تو غم سے خالی

ترے غم کو میں بھی جانوں
کہ وہ کس مآل کا ہے

وہ نتیجہ میں بھی دیکھوں
جو ترے خیال کا ہے

جو ترے ملال کا ہے

نہ شگفتہ فصلِ گُل میں
نہ کسی چمن میں خنداں
نہ قرار شور و غل میں
نہ سکوت میں تو شاداں
تجھے کیا ہوا ہے ناداں

تجھے لے گیا چمن میں
کہ کسی طرح کھلے تو
گُل و لالہ و سمن میں
کرے شکوے اور گلے تو
اگر ان میں کچھ ملے تو

مگر آہ واں بھی دیکھا
نہ تری خوشی کا ساماں
گُل و سبزہ پر نہ ریجھا
نہ نوائے عندلیباں
نہ ہوا ترانہ ریزاں

تجھے بزم عیش میں بھی
تو بٹھا بٹھا کے دیکھا
تجھے جام دست ساقی
سے پلا پلا کے دیکھا
غرض آزما کے دیکھا

نہ ہوا قرار تجھ کو
کوئی اور آرزو ہے
گلِ عیش خار تجھ کو
تری خو میں اور لو ہے
کوئی اور جستجو ہے

تجھے لے چلوں وہاں میں
ہیں جہاں چمکتے تارے
کہ تجھے بلا رہے ہیں
وہ فلک کے ماہ تارے
ہیں عجیب پیارے پیارے

نہ تجھے ہے ان کی چاہت نہ رہے تیرہ خاک واں کی
نہ زمیں سے تجھ کو اُلفت نہ محبت آسماں کی ہو
تو ہے آرزو کہاں کی

محروم

۷۹۔ دلِ شکستہ

نہ چھیڑو ہمیں دل دکھائے ہوئے ہیں جدائی کے صدمے اٹھائے ہوئے ہیں
جو اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے ہیں کڑی چوٹ ہم دل پہ کھائے ہوئے ہیں
بلانے سے ہرگز نہیں آئیں گے وہ
دلا اُن کو ہم آزمائے ہوئے ہیں

صنم

۸۰۔ فسانہ دل

نہ سنے درد دل مرا نہ سنے میں کہونگا سنے وہ یا نہ سنے
لاکھ دلچسپ ہی مرا قصہ مگر اس نے کبھی سنا نہ سنے
جو کوئی درد آشنا ہو امیر
اوہر آئے مرا فسانہ سنے

امیر

۸۱۔ بیتابی و بیکسی

ہائے یہ ظلم سہا کیونکر جائے — ہیں جیوں اور مروں دل مر جائے
عمر برباد نہ جائے اے کاش — دل کی آئی مجھے آئے اے کاش
جاں ہمہ رنج سراپا غم ہے — رنج سا رنج ہی غم سا غم ہے
دیکھتا ہوں عجب احوال اپنا — کیا کہوں کس سے کہوں حال اپنا
درد ہجراں سے سبھی کو ہی فراغ — بات پوچھے کوئی یہ کس کو دماغ
سب ہیں بیدرد نہیں کس کا غم — غمزدوں کا ہی کسی کو کیا غم
کون پوچھے ہے کسی کا احوال — جانتے ہم ہیں سبھی کا احوال
کوئی ناشاد ہو یا ہو ناکام — اپنے سب خوش ہیں کسی کو کیا کام
کوئی ہمدم ہے نہ دمساز مرا — کوئی محرم ہے نہ ہمراز مرا
کوئی اتنا نہیں جو حال سنے — متوجہ ہو کچھ احوال سنے
کوئی اتنا نہیں جو چارہ کرے — چارۂ مومن آوارہ کرے
چارہ گر ہو نہ سکے فکر تو ہو — وصل جاناں نہ سہی ذکر تو ہو
دل ہو مضطر تو نہ آرام لے وہ — ہیں جو تڑپوں تو ذرا تھام لے وہ
کچھ کرے بات ذرا بہلائے — جی کسی ڈھب سے مرا بہلائے
ہائے میں ڈھونڈ کے لاؤں کس کو — ماجرا اپنا سناؤں کس کو

کون میرا مگر اپنا ہوں میں — عاشق بیکس و تنہا ہوں میں
اس تکلم سے یہ مطلب ہی مرا — جس نے سمجھے وہ افسانہ مرا
گو کہیں ہو وہ کسی جا ہوئے — دل میں درد ذرا سا ہوئے
ہو پہ مجھ سا وہ نہ ہو دیوانہ — تا سنے سمجھے مرا فسانہ
اس کو پہنچا ہو جدائی کا درد — تا وہ جانے کہ ہے ایسی کیا درد
ماجرائے غم حرماں سمجھے — سرگزشت شب ہجراں سمجھے
بات کچھ میری زبانی سن لے — غور سے ساری کہانی سن لے
سب مضامین و معانی سوچے — مطلب راز نہانی سوچے

نہ کہانی نہ یہ ہے افسانہ
داد و بیداد ہے مظلومانہ

مومن

۸۲۔ شورش الفت

رخصت اے زنداں جنوں زنجیرِ در کھڑکائے ہی
مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
بس کرم سوزِ دروں بھن جائیں گے دل اور جگر
رحم جوشِ گریہ چھاتی پھر ابھی بھر آئے ہے

دم ہے سینہ میں آ کر ضعف سے یہ گفتگو
دیکھئے لب تک خدا کس طرح سے پہنچائے ہی

بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے
اُف رے بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہی

نزع ہی میں ذوقؔ کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانبِ در دیکھ لے ہے جب کہ ہوش آجائے ہے

ذوقؔ

۸۳ ۔ رشکِ الفت

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہی کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوف بد آموزیٔ عدو کیا ہے

گزرا اسد مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہی

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلا
ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

نہیں گر ہمدمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہی
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

تکلف برطرف نظارگی ہیں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہی مجھ سے

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کہ تم مرے لئے ہوتے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہی
میں اُسے دیکھوں بھلا یہ مجھ سے دیکھا جائے ہی

غالب

۸۴۔ شکایت الفت

سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے
جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر گئی

سن اے فغاں جہاں میں عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اسی روش اس کی گزر گئی

شیریں نے جور کب نہ کیا کوہ کن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا تھی کہ لیلیٰ نہ کر گئی

کل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرا نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانے رات شمع سے اتنے جلے کہ صبح
خاکستر اُن کی لے کے صبا دوش پر گئی

میں تازہ کچھ کیا ہے کہ بدنامی کو مری
آواز آہ و نالہ تری گھر بہ گھر گئی

لوہو سے تیرے سر کے ہے دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خون کی بیرون در گئی

حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروئے ابر تر گئی

القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے لکھا کہ خیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی

شیریں کی ایک میں نہ کہوں ورنہ بارہا
لیلیٰ جدھر تھی وادیٔ مجنوں اُدھر گئی

یہاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا
اس اتحاد سے انہیں باہم بسر گئی

جاری ہوا تھا خوں رگ مجنوں سے وقت فصد
لیلیٰ کے پوست بال اگر نیشتر گئی

ظالم کروڑ گل کا گریباں ہوا ہے چاک
اک عندلیب گر اجل اپنی سے مر گئی

پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی

یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے تجھ کو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت اگر گئی

میرے لہو سے ہے مری دیوار گھر کی سرخ
میری ہی موج خوں مرے بیرون در گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

سودا

۸۵۔ یاد الفت

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم تھا مرے جو حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ کہتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن

۸۶۔ یاد یار

جب سے تجھ سے جدا ہوا ہوں میں — اک مصیبت میں مبتلا ہوں میں
یاد رہتی ہے ہر گھڑی تیری — صورت آنکھوں میں ہی کھڑی رہتی

تن یہاں ہے تو جاں ہے تیرے پاس — کہئے اب کیا ہے زندگی کی آس
یاد ہے تیری رات دن مجھ کو — جان دو بھر ہے تیرے بن مجھکو
کام کوئی کیا نہیں جاتا — شغل کوئی بھی خوش نہیں آتا
دل کے بہلانے کو ہو جو مضطر — جاؤں دریا و کوہ و صحرا پر
جی بہلتا نہیں وہاں بھی مرا — ساتھ ہے دل کے وہاں بھی یہاں ترا
فکر کھانے کی ہے نہ پینے کا ہوش — بھول دل سے گیا ہوں سب خور و نوش
کپڑے میلے ہیں گر تو فکر نہیں — غسل کی یاد آئے ذکر نہیں
بولنا کچھ کسی سے بار ہے اب — بات کرنا ہی ناگوار ہے اب

گر کھڑا ہوں تو سخت حیرتناک
اور جو بیٹھا تو جان غم سے ہلاک

سحرؔ

۸۷۔ محبت کی چھیڑ چھاڑ

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو — بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
تم کہو گے جسے کچھ کیوں نہ کہے گا تم کو — چھوڑ دو لیویگا بھلا دیکھ تو لو اور سنو
یہی انصاف ہے کچھ سوچو تو دل میں اپنے — تم تو سو کہہ لو مری ایک نہ سنو اور سنو

آپ ہی آپ مجھے چھیڑ دو رکو آپ ہی پھر
آپ ہی بات میں پھر روٹھ اٹھو اور سنو

انشاءؔ

۸۸۔ سرد مہری

گاہے گاہے کی ملاقات ہے یہ بھی نہ سہی
اور کیا اس کے سوا بات ہے یہ بھی نہ سہی

منہ دکھاتے ہو تم ایک سال میں مثل مہ عید
یہ بھی گر ہارج اوقات ہے یہ بھی نہ سہی

خط کا لکھنا بھی گرانی ہے تو وہ بھی نہ لکھو
روز کی حرف و حکایت ہے یہ بھی نہ سہی

نظر لطف کبھی حال پہ کرتے ہو مرے
اس میں گر قصد مساوات ہے یہ بھی نہ سہی

چھوڑ دی آپ نے جب بندہ نوازی صاحب
ایک ظاہر کی عنایات ہے یہ بھی نہ سہی

اور تو کیا ہے فقط ایک خوشی سے ملنا
یہی صابر کی کرامات ہے یہ بھی نہ سہی

صابر

۸۹۔ شکر رنجی

تمہارا دل اگر ہم سے پھرا ہے — تو بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے
ہوئے ہو اس قدر بیزار ہم سے — کہو ہم نے تمہارا کیا کیا ہے
وہ احمق ہی کہا ہی جس نے تم سے — ملو جس سے تمہارا دل ملا ہے
ہماری کچھ نہیں تقصیر لیکن
سبھی تم کو کہیں گے بیوفا ہی

آبرو

۹۰۔ شبِ ہجر

شبِ ہجراں بسر نہیں ہوتی — نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی
بستر رنج و کنج تنہائی — رات کیا آئی اک بلا آئی
شام سے حال ہی یہ صبح تلک — نہیں لگتی مری پلک سے پلک
کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور — کیا شفق نے کھلا دیا سیندور
کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے گھر
سگِ دیوانہ بن گیا ہے گھر

ذوق

۹۱۔ شبِ فراق

پلک ذرا نہ جھپکتی تھی دل دھڑکتا تھا
کسی کے وعدے پہ حالت تھی یہ ہماری رات

پڑے تڑپتے تھے بستر پہ آہیں بھر بھر کے
جو یاد آتی تھی صورت پیاری پیاری رات

شبِ فراق کٹے کس طرح سے اے جرأت
یہ رات وہ ہے کہ کہتے ہیں جس کو بھاری رات

جرأت

۹۲۔ شبِ غم

وہی شام دھندلی وہی رات کالی
وہی خامشی ہوائیں وہی بدلیوں کی جالی
وہی شمع پھیکی پھیکی مرے ساتھ رونے والی

وہی میں وہی مرا دل وہی مشورے خیالی
شبِ غم بری بلا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مرے گھر میں کیوں خموشی مرے دل پہ کیوں تباہی
یہ مکاں ہے یا کہ صحرا میں مکیں ہوں یا کہ راہی

در بام پر ہے اکثر شب گور کی سیاہی
میں ہوں زندہ یا کہ مردہ مجھے کیا ہوا الٰہی

شب غم بری بلا ہے شب غم بری بلا ہے

میں کسے یہاں پکاروں کہ نہیں نشاں کسی کا
نہ قدم کی کوئی آہٹ نہ گزر یہاں کسی کا

ہے جہاں میں کوئی مونس کوئی رازداں کسی کا
ہے مکیں یہاں کا تنہا یہ بھی ہے مکاں کسی کا

شب غم بری بلا ہے شب غم بری بلا ہے

ترے رحم سے بسر ہو یہ شب محن الٰہی
نظر آئے پھر کسی کی مجھے انجمن الٰہی

مری روح چھوڑ جائے نہ دیارِ تن الٰہی
کہیں دامنِ شب غم نہ بنے کفن الٰہی

شب غم بُری بلا ہے شب غم بُری بلا ہے
معروم

۹۳. گریہ

بھاتا ہے مجھ کو رونا ابر بہار تیرا ہے موتیوں کی مالا اشکوں کا ہار تیرا
معشوق ہو کہ عاشق دونوں میں پیار تیرا بلبل کو اور گل کو ہے انتظار تیرا

برسات نے ملائے یہ خوب یار دونوں
آ مل کے روئیں ہم تم ابر بہار دونوں

سینے میں دل ہے میرے اور برق تجھ میں پنہاں
دونوں میں ایک تڑپ ہی بیتاب دونوں یکساں
دونوں مچل مچل کر کرتے ہیں سب کو حیراں
شوریدہ سر ہیں دونو. دونو ہیں خانہ ویراں
وہ دیکھ کس طرح ہیں اب بیقرار دونو
آ مل کے روئیں ہم تم ابر بہار دونو

کرتے ہیں ابر نیساں اب مل کے اشکباری
دیکھیں کہ رنگ لائے کیا اپنی آہ وزاری
کچھ کر دکھائیں ہم بھی مرضی ہو گر تمہاری
ہو جائیگی یہ دنیا اک پل میں غرق ساری
جی بھر کے روئیں گے جب زار و قطار دونو
آ مل کے روئیں ہم تم ابر بہار دونو

دریا کا ہو کنارا اور چل رہی ہوا ہو
بجلی تڑپ رہی ہو چھائی ہوئی گھٹا ہو
ایک دم مزاج برہم صبر و قرار کا ہو
قلب و جگر کو تھامے محروم بھی کھڑا ہو
ہو جائیں دل ہی دل میں بے اختیار دونو
اس وقت مل کے روئیں ابر بہار دونو

محروم

٩٤۔ گوہرِ اشک

سرد چلتی تھیں ہوائیں اور اندھیری رات تھی — سو رہی تھیں برف کے بستر پہ کرنیں چاند کی
نازنیں اک مرقدِ نو بستۂ دلدار پر — بیٹھ کر آنسو بہانے لگ گئی با چشمِ تر
برف کے مانند قطرہ اشک کا وہ جم گیا — صبح کو سورج کی کرنوں نے اسے چمکا دیا
اتفاقاً اک فرشتہ کا ہوا اس پر گزر — دیکھ پایا اس نے وہ اشکِ درخشاں قبر پر

جھٹ اٹھا کر لے لیا اس نے وہ دُرِّ بے بہا
اور وہ اس کے تاجِ سر کے واسطے زینت ہوا

اخترؔ

٩٥۔ سیتا جی کی منت و زاری

(رامچندر جی کے بن باس کے وقت)

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ساتھ لے چلو — دکھیا تمہارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو
نازک ہی میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا — چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائیگا
مجھ سے شبِ فراق میں تڑپا نہ جائیگا — روزِ سیاہ ہجر کا دیکھا نہ جائے گا

گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو

مانا کہ دشت میں غم و آلام ہیں بہت
بن باسیوں کو دکھ سحر و شام ہیں بہت
صحرا مجھے چمن ہے رفاقت میں آپ کی
دنیا کے سارے عیش ہیں خدمت میں آپکی
سوامی جو تم ہو ساتھ تو کیا الم کدہ
خس پوش جھونپڑا مجھے ہوگا صنم کدہ

صورت تمہاری دیکھ کے غم بھول جاؤنگی
صحرا کے سارے رنج والم بھول جاؤنگی

سرور جہاں آبادی

۹۶۔ رام چندر جی ماں سے رخصت ہوتے ہیں

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال
خاموش ماں کے پاس گیا صورت خیال
دیکھا تو ایک در میں ہی بیٹھی وہ خستہ حال
سکتہ سا ہو گیا ہی یہ ہے شدت ملال

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویر سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بیگناہ
لو نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ
لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ

چہرے کا رنگ حالت دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو میری جاں

سب کی خوشی یہی ہی تو صحرا کو ہو رواں لیکن میں اپنے منہ سی نہ ہرگز کہونگی ماں
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیجدوں
جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیجدوں

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سی کم
بس خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ
تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے
آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

سن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادر ناشاد کے حضور مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالم پیری میں ہی ضرور لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور

شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر   ہونا جو ہے سب اسکے بہانے ہیں سربسر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر   کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اُس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار   واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکر کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگ روزگار   ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

پڑتا ہے جب غریب پہ رنج و محن کا بار   کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہ گار   یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امر رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام   بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شادکام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام   قائم امید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام
اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں — ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انہیں گراں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں — وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائیگاں

رکھتے ہیں جو عزیز انہیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دست یاس وہ برگ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار — موقوف کچھ ریاض پہ ان کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار — وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار

ہوتا ہے ان پہ فضل جو ربِ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر — صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر — رہتا نہیں وہ حال سے بندے کی بےخبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

چکبست

۹۷۔ حب وطن

اے سپہر بریں کے سیارو — اے فضائے زمیں کے گلزارو
اے پہاڑوں کی دلفریب فضا — اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
اے عنادل کے نغمۂ سحری — اے شبِ ماہتاب تاروں بھری

اے نسیم بہار کے جھونکو　　دہر ناپائیدار کے دھوکو

تم ہر ایک حال میں ہو یوں تو عزیز　　تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

جب وطن میں ہمارا تھا رہنا　　تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

تم مری دل لگی کے ساماں تھے　　تم مرے درد دل کے درماں تھے

تم سے کٹتا تھا رنج تنہائی　　تم سے پاتا تھا دل شکیبائی

آن اک اک تمہاری بھاتی تھی　　جو ادا تھی وہ دل لبھاتی تھی

کرتے تھے جب تم اپنی غم خواری
دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری

جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے　　ہو کے خوشحال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لب آب　　دھو کے اٹھتے تھے دل کے داغ شتاب

کوہ صحرا و آسماں و زمین　　سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں

پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار　　جی ہوا تم سے خود بخود بیزار

نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے　　نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے

سیر گلشن ہے جی کا اک جنجال　　شب مہتاب جان کو ہے وبال

کوہ و صحرا سے تا لب دریا　　جس طرف جائیں جی نہیں لگتا

کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں　　تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں

ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور

حالی

۹۸۔ حبِ وطن

قصدِ غربت سے ہو جب سوئے وطن جانے کا　　قدرتاً ہوتا ہے اک جوشِ مسرت پیدا
بڑھتا جاتا ہے جو انساں کا آگے کو قدم　　دل دھڑکتا ہے محبت سے وطن کی پیہم

دور سے شکلِ وطن جب کہ نظر آتی ہے
دفعتاً جان میں اک جان سی آ جاتی ہے

مردہ دل کیا کوئی زندہ ہی جہاں میں ایسا　　جس کو احساس نہیں حبِ وطن کا اصلا
کون ہے جو نہیں ہے شیفتۂ حبِ وطن　　کیا کسی بلبلِ شیدا کو نہیں عشقِ چمن

کون ہے دل میں نہیں جس کے محبت اسکی
یہ پری زینتِ آغوش نہیں ہے کس کی

کیا کوئی ہے کہ نہیں ہی جسے کچھ حبِ وطن　　اور اگر ہے تو سنا دو اُسے میرا یہ سخن
لاکھ حاصل ہو تجھے دولت و ثروت اتنی　　کر سکے آدمی ملنے کی تمنا جتنی

نام اونچا ہو خطابات بڑے ہوں تیرے
کچھ نہیں ہیچ ہے بے حبِ وطن یاد رہے

نیکنامی تجھے دولت سے نہ حاصل ہو گی　　نہ خطابات یہ دنیا ترے مائل ہو گی
کچھ خوشامد تو کرائیگی یہ دولت تیری　　دل سے کوئی نہ کریگا کبھی عزت تیری

اس طرح عالمِ فانی سے گزر جائے گا
کہ ترے ساتھ ترا نام بھی مر جائیگا

سید حیدر علی زیدی

۹۹۔ میرا وطن

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا — نانک نے جس چمن میں وحدت کا راگ گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا — جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا — سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا — ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے — پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے — میر عرب (صلعم) کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا — نوحِ نبیؑ کا ٹھیرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا — جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

گوتم کا جو وطن ہے جاپان کا حرم ہے — عیسیٰ کے عاشقوں کا چھوٹا یروشلم ہے
مدفون جس زمیں میں اسلام کا حشم ہے — ہر پھول جس چمن کا فردوس ہے ارم ہے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

١٠٠۔ ترانۂ ہند

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزار ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

اقبال

١٠١۔ نوحہ

(١٨٥٧ء کی شورش اور شامت اعمال)

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو اپنے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا سینہ غم سے فگار ہے

ورنہ شہر دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرح کا یہاں امن
وہ خطاب اس کا تو مٹ گیا فقط اب تو اجڑا دیار ہے

شب و روز پھولوں میں جو بسیں وہ بلون خار غم سی وگار ہوں
ملے طوق قید میں جب انہیں کہیں بدلے گل کے یہ ہار ہے

جو سلوک اوروں سی کرتے تھے وہی اب ہیں کتنے ذلیل و خوار
وہ ہیں تنگ خرچ کے جور سے رہا تن پہ ان کے نہ تار ہے

یہ زمانہ ہے وہ برا فلک چلو بچ کے سب سے الگ الگ
نہ رفیق کوئی کسی کا یاں نہ کسی کا کوئی بھی یار ہے

کیا حسامی ڈر تجھے حشر کا جو خدا رکھے تجھے بر ملا
تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

حسامی

۱۰۲۔ نوحۂ دلی

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا نا ہرگز
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی
کوئی دل چسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

لے کے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیاح — دیکھ اس شہر کے کھنڈر رو نہیں نہ جانا ہرگز
چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک — دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز
کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی — ہم کو بھولے تو ہو گھر بھول نہ جانا ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر — اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رلانا ہرگز

حالی

۱۰۳۔ پیام و سلام اقبال کے نام

آنا ترا مبارک یورپ سے آنیوالے — احباب منتظر کو جلوہ دکھانے والے
آنا ترا مبارک اعزاز پانے والے — ہندوستاں کی عظمت عزت بڑھانیوالے
آنا ترا مبارک باصد ہزار شوکت — ملک سخن میں اپنا سکہ بٹھانے والے
آنا ترا مبارک او بلبل خوش الحاں — نغمیں سنانیوالے تانیں اڑانیوالے
آنا ترا مبارک او فخر بزم قومی — ہنسنے ہنسانیوالے رونے رلانے والے

مشکور کیجئے گا پہلے سلام میرا
خدمت میں آپکی ہے پھر یہ پیام میرا

اقبال رنگ الفت محفل میں پھر جما دے — لایا فرنگ سے ہی جو مے وہی پلا دے

پھر ہو رہی ہے ان بن کچھ شیخ و برہمن میں　　ان کو گلے ملا دے روٹھے ہوئے منا دے
مشہور کشوروں میں ہے سوز و ساز تیرا　　اہل وطن کو اپنے اس راز کا پتہ دے
سوتوں کو ہے جگانا مردوں کو ہے جلانا　　ہوگا یہ کام تجھ سے ہمت تجھے خدا دے
سوز سخن بھی گر ہے دنیا میں چیز کوئی　　اُس کا اثر دکھا دے اک آگ سی لگا دے
منزل کٹھن ہے اپنی اور پرخطر ہیں راہیں　　پھر سینکڑوں دوراہے اک راہ پر چلا دے
سحر سخن سے اپنے تسخیر کر دلوں کو　　نغمہ کوئی سنا دے جادو کوئی چلا دے
قسمت سے ہے دلوں پر حاصل تجھے حکومت　　جسکو ترس رہے ہیں دنیا کے شاہزادے
بھارت ہماری ماں ہے لازم ہے اسکی سیوا　　کیا چاہئے ہمیں گر خوش ہو کے یہ دعا دے

دی ہے زبان بھی تجھ کو دل بھی دیا خدا نے
حب وطن کے دل کش پھر چھیڑ دے ترانے

اک بار پھر سنا دے ہندوستاں ہمارا　　اپنی زباں میں کہہ دے رازِ نہاں ہمارا
پھر زمزموں سے اپنے آباد اس کو کر دے　　تیرے بغیر سونا ہے گلستاں ہمارا
کیا حال ہے وہاں کا آیا ہے تو جہاں سے　　کچھ تذکرہ سنا بھی تو نے وہاں ہمارا
ہم چل پڑے ہیں لیکن منزل ابھی ہے کوسوں　　اور سخت مشکلوں میں ہے کارواں ہمارا
اپنوں کی سرد مہری نے دل جلا دیا ہے　　پہنچے گا آسماں تک دودِ فغاں ہمارا
اقبال دیکھ اتنا کوئی نہیں سمجھتا　　مٹنے کو ہے جہاں سے نام و نشاں ہمارا
آپس کی دشمنی سے یہ جو نہیں ہیں ہر گز　　پہلے ہی جب کہ دشمن ہے آسماں ہمارا

یہ وقت ہی کہ کہہ دیں سب ہو کے یک زباں ہم
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

محروم

۱۰۴۔ نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو بُرا نہ مانے
تیرے صنم کدے کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
کچھ فکر پھوٹ کی کر مالی ہے تو چمن کا
بوٹوں کو پھونک ڈالا اس بے بھری ہوا نے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آ ٖل کے غیریت کے پردوں کو پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہی مدت سے جی کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
پھر اک انوپ ایسی سونے کی مورتی ہو
اس ہر دوار دل میں لا کر جسے بٹھا دیں

سندر ہو اس کی صورت چھب اس کی موہنی ہو
اس دیوتا سے مانگیں جو دل کی ہوں مرادیں

زنار ہو گلے میں تسبیح ہاتھ میں ہو — یعنی صنم کدے میں شان حرم دکھادیں
پہلو کو چیر ڈالیں درشن ہو عام اس کا — ہر آتما کو گویا اک آگ سی لگا دیں
آنکھوں کی ہے جو گنگا لے لے کے اس سے پانی — اس دیوتا کے آگے اک نہر سی بہا دیں

ہندوستان لکھ دیں ماتھے پہ اس صنم کے
بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سنا دیں

ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے — سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
مندر میں ہو بلانا جس دم پجاریوں کو — آوازۂ اذاں میں ناقوس کو چھپا دیں
اگنی ہے وہ جو نرگن کہتے ہیں پیت جس کو — دھرموں کے یہ بکھیڑے اس آگ میں جلا دیں

ہے ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا
رونا ستم اٹھانا اور ان کو پیار کرنا

اقبال

۱۰۵۔ گلزار وطن

پھولوں کا کنج دل کش بھارت میں اک بنائیں — حب وطن کے پودے اس میں نئے لگائیں
پھولوں میں جس چمن کے ہو بوئے جاں نثاری — حب وطن کی قلمیں ہم اس چمن سے لائیں
خون جگر سے سینچیں ہر نخل آرزو کو — اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں
ایک ایک گل میں پھونکیں روح شمیم وحدت — اک اک کلی کو دل کے دامن سے دیں ہوائیں

فردوس کا نمونہ اپنا ہو کنج دل کش — سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گر فضائیں
چھایا ہو ابر رحمت کاشانۂ چمن میں — رم جھم برس رہی ہوں چاروں طرف گھٹائیں
مرغانِ باغ بن کر اڑتے پھریں ہوا میں — نغمے ہوں روح افزا اور دلربا صدائیں
حب وطن کے لب پر ہوں جانفزا ترانے — شاخوں پہ گیت گائیں پھولوں پہ چہچہائیں

چھائی ہوئی گھٹا ہو موسم طرب فزا ہو
جھونکے چلیں ہوا کے اشجار لہلہائیں

اس کنج دلنشیں میں قبضہ نہ ہو خزاں کا — جو ہو گلوں کا تختہ، تختہ ہو اک جناں کا
بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھٹکا — خوش خوش ہو شاخ گل پر غم ہو نہ آشیاں کا
حب وطن کا مل کر سب ایک راگ گائیں — لہجہ جدا ہو گرچہ مرغانِ نغمہ خواں کا
ایک ایک لفظ میں ہو تاثیر بوئے الفت — انداز دلنشیں ہو ایک ایک داستاں کا
مرغانِ باغ کا ہو اس شاخ پر نشیمن — پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیاد آسماں کا
موسم ہو جوشِ گل کا اور دن بہار کے ہوں — عالم عجیب دلکش ہو اپنے گلستاں کا

مل مل کے ہم ترانے حب وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کی گیت اس چمن کے گائیں

سرورؔ

جذبات فطرت

حصہ دوم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں، اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ امید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہو جائیں گے۔

۱۔ آبرو۔ ؟

ولادت   وطن

(۸۹) شکر رنجی ۱۱۷

۲۔ اختر جوناگڈھی ؟

ولادت   وطن

(۳۴) گہر اشک ۱۲۱

۳۔ اعجاز۔ مرزا اعجاز حسین صاحب

ولادت   وطن

(۶۱) پیام مرگ ۹۰

۴ ۔ اقبال ۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب

ولادت وطن

(۷۴) ایک پرندے کی فریاد ۷۳

(۹۹) میراوطن ۱۲۸

(۱۰۰) ترانہ ہند ۱۲۹

(۱۰۴) نیا شوالہ ۱۳۳

۵ ۔ اکبر ۔ سید اکبر حسین صاحب

ولادت وطن الہ آباد

(۵۲) ختم بہار ۸۰

(۶۲) انجام غم ۹۱

۶ ۔ امانت ۔ ؟

ولادت وطن

(۵۹) مرے بعد ۸۷

۷ ۔ امجد ۔ سید امجد حسین صاحب

ولادت وطن حیدرآباد

(۴۸) پی ۶۳

۸ ۔ امیر ۔ منشی امیر احمد مینائی صاحب مرحوم

ولادت وطن وفات مدفن

(۵۰) بلبل ۶۵

(۸۰) خانۂ دل ۱۰۷

۹ ۔ نجم ۔ نور محمد صاحب

ولادت وطن

(۶۰) دم واپسیں ۸۸

۱۰۔ انشا۔ انشاء اللہ خاں صاحب مرحوم

ولادت — وطن دلّی — وفات ۱۲۳۳ھ — مدفن لکھنؤ

(۸۷) محبت کی چھیڑ چھاڑ ۱۱۵

۱۱۔ انیس۔ میر ببر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ — وطن لکھنؤ — وفات ۱۲۹۲ھ — مدفن لکھنؤ

(۱) حضرت امام حسینؑ کا عزم سفر ۱۰

(۲) حضرت صغریٰ ساتھ چلنے کی ضد کرتی ہیں ۱۲

(۳) حضرت امام حسینؑ حضرت صغریٰ کو سمجھاتے ہیں ۱۴

(۴) حضرت صغریٰ کی مایوسی ۱۵

(۵) حضرت صغریٰ کی زاری و بے قراری ۱۶

(۶) حضرت صغریٰ سے حضرت علی اکبر رخصت ہوتے ہیں ۱۸

(۷) قافلہ کی روانگی ۱۹

(۸) سفر کربلا ۲۰

(۹) ورود میدان کربلا ۲۱

(۱۰) غنیم کی چھیڑ چھاڑ ۲۳

(۱۱) قاصد کی خبر ۲۴

(۱۲) غنیم کی پیش قدمی ۲۵

(۱۳) شب شہادت ۲۶

(۱۴) حضرت امام حسینؑ کی تلقین ۲۷

(۱۵) صبح شہادت ۳۰

(۱۶) حضرت زینب کے کمسن صاحبزادوں عون و محمد کا جوش شجاعت ۳۱

(۱۷) صاحبزادوں کو علمبرداری کی تمنا ۳۳

(١٨) صاحبزادوں کی طلب اذن جنگ ٣٤

(١٩) حضرت زینب دونوں صاحبزادوں کو رخصت کرتی ہیں ٣٦

(٢٠) دونوں صاحبزادوں کی روانگی ٤٠

(٢١) دونوں صاحبزادوں کی جانبازی ٤١

(٢٢) حضرت عباس کا جوش محبت ٤٢

(٢٣) حضرت عباس کی معرکہ آرائی ٤٦

(٢٤) شہادت حضرت عباس ٤٨

(٢٥) شہادت حضرت عباس ....

(٢٦) حضرت علی اکبر کی طلب اذن ٤٩

(٢٧) حضرت علی اکبر کی سپہ گری ٥٠

(٢٨) شہادت حضرت علی اکبر ٥١

(٢٩) شہادت حضرت علی اصغر ٥٣

(٣٠) حضرت امام حسینؑ حضرت زینب سے رخصت ہوتے ہیں ٥٤

(٣١) حضرت امام حسینؑ کی روانگی ٥٦

(٣٢) حضرت امام حسینؑ کی آخری مناجات ٥٧

(٣٣) یاد رفتگاں ٥٨

(٣٤) آخری عبادت اور شہادت ٥٩

(٣٥) نیرنگی عالم ٦٠

(٣٦) عبرت ٦١

(٣٨) سفر آخرت ٩٩

(٧٠) آخر منزل ١٠٠

١٢. جراءت ؟

ولادت — وطن

(۹۱) شبِ فراق ۱۱۰

۱۳ چکبست۔ منشی برج نراین صاحب

ولادت — وطن لکھنؤ

(۶۷) صبر ۹۸

(۹۶) رامچندر جی ماں سے رخصت ہوتے ہیں ۱۲۲

۱۴۔ حالی۔ خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت — وطن پانی پت — وفات — مدفن پانی پت

(۹۷) حبِ وطن ۱۲۵

(۱۰۲) نوحۂ دہلی ۱۳۰

۱۵۔ حاجی ؟

ولادت — وطن

(۱۰۱) نوحۂ ہند ۱۲۱

۱۶۔ حسرت۔ مولوی فضل الحسن صاحب موہانی

ولادت — وطن موہان

(۶۵) نوحۂ دوست ۹۴

۱۷۔ خاتون۔ ایک خاتون صاحبہ از علی گڈھ (اسم نامعلوم)

(۶۴) ماتمِ بلبل ۷۱

۱۸۔ خان ؟

ولادت — وطن

(۵۸) میرے بعد ۸۶

۱۹۔ دبیر۔ مرزا سلامت علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۲۰ھ — وطن لکھنؤ — وفات ۱۲۹۲ھ — مدفن لکھنؤ

(۶۹) قبر ۹۹

۲۰۔ ذوق ۔ شیخ محمد ابراہیم صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۰۴ھ وطن دلّی وفات ۱۲۷۱ھ مدفن دلّی

(۸۲) سوزشِ الفت ۱۰۹

(۹۰) شبِ ہجر ۱۱۷

۲۱۔ رند ۔ نواب سید محمد خاں صاحب مرحوم

ولادت وطن فیض آباد وفات مدفن

(۳۹) بلبل ۶۴

(۴۲) فغانِ بلبل ۶۸

(۴۴) بلبل و صیاد ۶۹

(۷۱) عبرت ۱۰۱

۲۲۔ رواں ۔ منشی جگت موہن لال صاحب

ولادت وطن

(۳۷) پپیہے ۶۳

(۲۳) سحر ۔ منشی دیبی پرشاد صاحب

ولادت ۱۸۴۰ء وطن بدایوں

(۸۶) یادِ یار ۱۱۴

۲۴۔ سرور ۔ منشی درگا سہائے صاحب آنجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

(۵۴) موسمِ گرما کا آخری گلاب ۸۲

(۹۵) بیتا جی کی منت وزاری ۱۲۱

(۱۰۵) گلزارِ وطن ۱۳۴

۲۵۔ سودا ۔ مرزا محمد رفیع صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن دلی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنؤ

(۵۳) دورِ خزاں ۸۱

(۸۴) شکایت الفت ۱۱۱

۲۶. شاد بجواڑیہ. منشی بالک رام صاحب

ولادت
وطن

(۵۶) مثال زندگی ۸۴

۲۷. شبلی. شبلی نعمانی صاحب مرحوم

ولادت
وطن
وفات
مدفن

(۶۰) نوحہ برادر ۹۲

۲۸. شوق قدوائی. منشی احمد علی صاحب

ولادت
وطن لکھنؤ

(۵۰) کلی کی بے کلی ۷۷

(۵۱) پھول کی فریاد ۷۸

(۲۹) صابر؟

ولادت
وطن

(۸۸) سرد مہری ۱۱۶

۳۰. صنم؟

ولادت
وطن

(۷۹) دل شکستہ ۱۰۷

۳۱. مرزا. مرزا محمد ہادی صاحب رسوا

ولادت
وطن لکھنؤ

(۴۲) بلبل اسیر ۶۶

۳۲. علی حیدر زیدی صاحب

ولادت
وطن

(۹۸) حب وطن ۱۲۷

۳۳. علی گوہر صاحب

ولادت   وطن

(۴۱) وداع بلبل ۶۶

۳۴. غالب۔ مرزا اسد اللہ خاں صاحب مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی

(۸۳) رشک الفت ۱۱۰

۳۵. محروم۔ منشی تلوک چند صاحب

ولادت ۱۸۸۵ء وطن عیسیٰ خیل (پنجاب)

(۴۵) بلبل کی فریاد ۷۰

(۴۸) چڑیا کی زاری ۷۵

(۷۳) ابتدائے الفت ۱۰۲

(۷۸) دل سے دو دو باتیں ۱۰۵

(۹۲) شب غم ۱۱۸

(۹۳) گریہ ۱۱۹

(۱۰۳) پیام و سلام اقبال کے نام ۱۳۱

۳۶. محشر۔ مرزا کاظم حسین صاحب

ولادت   وطن

(۷۶) ضبط عشق ۱۰۴

۳۷. محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ اڈیٹر تہذیب النسواں

ولادت   وطن

(۶۶) بن ماں کی بچی ۹۵

۳۸. منظور۔ قاضی عبد اللہ خاں صاحب

ولادت وطن

(۶۹) دور بہار ۔ ۷۶

۳۹ ۔ مومن ۔ محمد مومن خاں صاحب مرحوم

ولادت وطن دلی وفات ۱۲۶۸ھ مدفن دلی

(۷۰) حال دل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۴

(۸۱) بیتابی و بیکسی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۸

(۸۵) یاد الفت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱۴

۴۰ ۔ میر ۔ میر تقی صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن اکبر آباد وفات ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنو

(۵۷) ہم چلے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸۶

(۷۲) عبرت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۱

۴۱ ۔ خاشاو ۔ سید نذیر حسین صاحب

ولادت وطن

(۵۵) سیل زمانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸۳

۴۱ ۔ نظر ۔ منشی نوبت رائے صاحب

ولادت وطن

(۶۳) جنازۂ لیسر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹۱

۴۳ ۔ نیرنگ ۔ سید غلام بھیک صاحب

ولادت وطن

(۷۴) الفت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۲

۴۴ ۔ ولی دکنی

ولادت وطن وفات مدفن

(۷۵) عشق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۳
